تقلید اور علمائے دیوبند



تالیف

شیخ الاسلام حضرت العلام مجتہد العصر

حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ

ناشر

محدث روپڑی اکیڈمی

جامع القدس چوک دالگراں، لاہور۔

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔ الآیۃ

اگر تمہیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھو

اِنَّمَا شِفَاءُ الْعِیِّ السُّوَالُ

جہالت کی شفاء سوال ہی ہے

تقلید اور علمائے دیوبند

جس میں

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی مرحوم، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا محمود حسنؒ، مولانا مرتضیٰ حسن وغیرہ علمائے دیوبند کی تحریرات (جو انہوں نے اثباتِ تقلید میں مختلف پیرایہ میں لکھی ہیں) کے محققانہ و منصفانہ جوابات ہیں،

مصنفہ

شیخ الاسلام مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ

ناشر:۔ محدث روپڑی اکیڈمی لاہور

سلسلۂ اشاعت نمبر ۴

نام کتاب: مسئلہ تقلید اور علمائے دیوبند

مصنف: شیخ الاسلام مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑیؒ

تاریخ طبع اول: ۱۹۳۴ء

تاریخ طبع دوم: ۱۴۱۰ھ ——— ۱۹۸۹ء

مطبع:

ناشر: محدث روپڑی اکیڈمی۔ لاہور

قیمت: روپے

تقلید کے متعلق انتباہ

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا اپنے رب بنا لیا ہے

جہاں خود سید الکونین کی موجود سنت ہے،
وہاں غیروں کے قول و رائے پر چلنا ضلالت ہے،
رسول اللہ کے ساتھ اس مقلد کو عداوت ہے!
نہیں وہ اہل سنت بلکہ مشرک فی الرسالت ہے

کرو دوستو دل سے طاعت نبی کی
نہیں فرض تقلید تم پر کسی کی

فہرست مضامین

عرض ناشر

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ امت مسلمہ کے اندر فرقہ بندی اور اختلاف اسلام کے چہرے پر ایک بدنما سیاہ داغ ہے جو تبلیغ اسلام میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے کیونکہ ایک غیر مسلم جب قبول اسلام کا ارادہ کرتا ہے یا ایک سادہ لوح مسلم اس اختلاف کو دیکھ کر ذہنی توازن کھو بیٹھتا ہے کہ وہ کس گروہ کی بات مانے کیونکہ تمام فرق ایک دوسرے پر گمراہی کا لیبل لگاتے اور بد مذہب گردانتے ہیں چنانچہ مذاہب اربعہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، سب اہل سنت کہلواتے ہیں لیکن یہ تمام اپنی تالیفات میں ایک دوسرے کے فروعی مسائل کی تردید وتغلیظ کرتے ہیں یہ اختلاف مسالک رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی ہے جس کی تصدیق واقعات نے کردی ہے لیکن وہاں پر رسول اکرمؐ نے ایک فرقہ ناجیہ کی علامت اور شناخت بھی امت کو بتلائی ہے اور فرقہ ناجیہ پر کوئی پردہ نہیں رہنے دیا بلکہ اسکی خود اپنے الفاظ میں تعیین فرمادی فرمایا میری امت ۷۳ فرق میں منقسم ہوگی ان میں سے ایک جماعت حق پر ہوگی فرمایا "ما انا علیه واصحابی" کہ اس جماعت کی شناخت یہ ہے انکا عقیدہ اور عمل رسول اللہ ﷺ اور تعامل صحابہ کے موافق ہوگا ہر وہ فرد جو بھی طالب حق ہو وہ اس جماعت حقہ کی تلاش کرسکتا ہے یہ جماعت ہر دور میں رہی اور قیامت تک انشاءاللہ رہے گی اور یہ وہی جماعت ہے جس کے

متعلق قرون مشہود لھا بالخیر کی گواہی دی گئی کیونکہ یہ جماعت صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ہی اتباع کرتی ہے کسی خاص امام یا مجتہد کی تقلید نہیں کرتی کیونکہ تمام تقلیدی مسالک بعد کی پیداوار ہیں اسی لئے جب سے امت مسلمہ میں تقلید شخصی رائج ہوئی اس وقت ہی امت افتراق انتشار کا شکار ہو گئی بعض مفاد پرست ہر دور میں اس فتنہ کی آبیاری کرتے رہے اور تقلید شخصی کو ہی عین اسلام کا نام دیتے رہے ۱۹۳۲ میں بھی یہ فتنہ اپنے عروج پر تھا خاص کر دیو بندی علماء کی طرف سے تقلید شخصی کو ثابت کرنے کے لئے بڑے بلند و بانگ دعوے کئے گئے اور اس کو عین شریعت قرار دینے کی جسارت کی گئی لیکن حضرت العلام محدث روپڑیؒ نے اس فتنہ کا بڑے علمی انداز میں محاسبہ کیا اور ادلہ شرعیہ سے ثابت کیا کہ تقلید شخصی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور یہ علمی خزانہ کافی دیر سے لوگوں کی نظروں سے اوجھل تھا یہ علمی موتی تقلید اور علماء دیو بند کے نام سے موسوم ہیں ان کو ۱۹۳۲ کے بعد پہلی مرتبہ ۱۹۸۷ میں شائع کیا گیا لیکن ناگزیر وجوہات کی بنا پر اس کے دوسرے ایڈیشن میں تاخیر ہوئی لیکن دوست واحباب اور علمی حلقے بار بار طباعت کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتے رہے اس تاخیر پر ہم اپنے کرم فرماؤں سے معذرت خواہ ہیں۔

اب بفضل اللہ یہ علمی خزانہ آپ کے ہاتھوں میں ہے اور اس کے دلائل اپنے موضوع کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اگر قاری اس کتاب کا مطالعہ بنظر غائر

کرے تو اسے اس موضوع پر شافی وکافی ادلہ سے اگاہی ہوگی اور امید واثق ہے کہ دیگر کسی کتاب کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی دعا ہے کہ اللہ تعالی ہمیں پگ ڈنڈیاں چھوڑ کر سنت رسول کے ساتھ تمسک کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔

آخر میں اپنے برادر اکبر شیخ الحدیث حافظ عبدالغفار روپڑی حفظہ اللہ کا ممنون ہوں کہ جن کی مساعی جمیلہ بھی اس کتاب کے طبع کرنے میں شامل ہیں قارئین کے لئے بات باعث مسرت ہوگی حضرت العلام کی کتاب مودودیت اور احادیث نبویہ بھی طباعت آخری مراحل میں ہے انشاء اللہ وہ بھی جلد قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہوگی اور محدث روپڑی اکیڈمی یک بعد دیگرے حضرت العلام کی تمام کتب کو جلد از جلد اہتمام کے ساتھ دوبارہ شائع کرے گی۔ انشاء اللہ

خیر اندیش

حافظ عبدالوہاب روپڑی

مقدّمہ

مسئلہ تقلید برِّصغیر میں بہت مدّت سے زیرِ بحث آرہا ہے۔ یہ مسئلہ بریلوی اور دیوبندی دونوں کا مشترکہ ہے۔ لیکن بریلوی حضرات کو تو بشریّتِ انبیاء علیہم السّلام میں نزاع، گیارہویں پیر جیلانی، میلادِ مُروّج اور اس قسم کی دیگر بدعات سے فراغت نہیں۔ اس لئے دیوبندیوں نے اس کو اپنے ذمّے لے لیا اور اس میں اس قدر قلم کو روانی دی کہ جو نہیں لکھنا تھا وہ بھی لکھ گئے۔ چنانچہ اس رسالہ میں آپ اس کی تفاصیل پر مطلع ہونگے انشاءَاللہ۔ لیکن تفاصیل سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو موضوعِ بحث سے روشناس کریں۔ تاکہ آپ آسانی سے اس رسالہ کے مضامین پر حاوی ہو سکیں۔ یعنی یہ بتلا دیں کہ اصل متنازعہ فیہ شئے کیا ہے تاکہ ہر موقعہ پر اس کا خیال رکھیں اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں پڑ کر اصل مقصد نہ فوت کر دیں۔

شائل پر جن علماء دیوبند کا نام درج ہے انہوں نے اثباتِ تقلید میں مختلف پیرائے اختیار کئے۔ مگر موضوعِ بحث یعنی اصل متنازعہ فیہ شئے کی طرف کسی نے کم توجّہ کی ہے۔ چنانچہ ان کی تحریرات سے آگے چل کر آپ پر سب کچھ روشن ہو جائے گا۔ انشاءَاللہ۔ پس ضروری ہے کہ پہلے آپ یہ سمجھ لیں کہ متنازعہ فیہ کیا شئے ہے۔ کیونکہ بحث میں زیادہ گڑبڑ اسی سے ہوتی ہے کہ انسان اصل موضوع چھوڑ جاتا ہے پس سُنیئے۔

کسی کا قول بغیر دلیل کے یا بغیر معرفت دلیل کے لینا اس کا نام تقلید ہے "کسی" سے کیا مراد ہے؟ جس کا قول دلیل نہ ہو۔ کیونکہ جس کا قول دلیل ہے وہ بمنزلہ آفتاب کے ہے۔ جو خود روشن ہے اس کے لئے اور روشنی کی ضرورت نہیں۔ اس بناء پر قرآن و حدیث کو ماننا تقلید نہیں نہ اجماع کو ماننا تقلید

ہے۔کیونکہ یہ خود دلائل ہیں اور اصولِ فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔چنانچہ آئندہ آپ کو معلوم ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔بلکہ جن کے نزدیک قولِ صحابی حجت ہے اور قریب حدیث کے ہے۔اُن کے نزدیک قولِ صحابی کو ماننا بھی تقلید نہیں۔ہاں امام ابوحنیفہؒ، یا امام شافعیؒ وغیرہ کے قول کو بغیر معرفت دلیل کے لینا تقلید ہے۔آگے دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ انسان کو جب مسئلہ کی ضرورت پڑے تو اگر عالم ہے تو اپنے علم کے موافق پہلے قرآن و حدیث میں تلاش کرے اور اقوالِ صحابہؓ کو دیکھے، اگر مل جائے تو بہتر ورنہ خیر قرون اور ائمہ دین سے جس کا قول دلیل کی رُو سے راجح ہو، لے لے۔اگر کسی وقت اجتہاد استنباط کرے تو اس میں بھی سلف سے باہر نہ نکلے۔اور اگر عامی ہے تو بحکم فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اپنی استعداد اور لیاقت کے موافق کسی عالم سے تحقیق کرے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ دل میں ٹھان لے کہ ہر مسئلہ میں ایک امام کی مانوں گا اور ہر مسئلہ میں اسی کا قول تلاش کروں گا۔اگر عالم ہے تو اُس کی کوشش بھی یہی ہے کہ مجھے فلاں امام کا قول ملے اور اگر عامی ہے تو وہ بھی اپنے مذہب کے علماء سے اور دوسروں سے یہی پوچھتا ہے کہ اس مسئلہ میں فلاں امام کا کیا قول ہے؟

پہلی صورت اہلحدیث کا مسلک ہے اور یہی سلف کی روش تھی۔چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب نے رسالہ انصاف وغیرہ میں اس کی تفصیل کی ہے اور ہم نے بھی اپنے رسالہ "تعریف اہلحدیث" حصہ اول میں تفصیلاً اور اس رسالہ میں اور بعض دوسرے رسائل میں اختصاراً اس کا ذکر کیا ہے۔خواہ اس مسلک کا نام کوئی تقلید[1] رکھے یا اتباع۔

دوسری صورت مقلدین کا مسلک ہے۔اور یہی متنازعہ فیہ ہے۔سو جب آپ کسی سے مسئلہ تقلید

---

[1] بعض لوگ اس کا نام تقلید رکھتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ یہ اتباع ہے کیونکہ یہ مسلک دلیل کے موافق ہے۔ اور دلیل کے پیچھے جانا اتباع ہے نہ کہ تقلید۔

پر گفتگو کریں تو اس کا خیال رکھیں ایسا نہ ہو کہ آپ کا مقابل اِدھر اُدھر کی باتوں میں آپ کو لگا کر یہ ظاہر کر دے کہ میں نے مسئلہ تقلید ثابت کر دیا۔ چنانچہ ایسا بہت ہوتا ہے۔ بہت سے مقلدین اہلحدیث کے مسلک مذکور کو مسئلہ تقلید کی لپیٹ میں لا کر کہتے ہیں کہ تم بھی خدا و رسول کی تقلید کرتے ہو۔ کبھی کہتے ہیں کہ تم صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث کی احادیث کو مانتے ہو تو گویا ان کے مصنفین کی تقلید کرتے ہو کبھی کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل سیکھے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کی اور تابعینؒ نے صحابہؓ سے سیکھے تو انہوں نے صحابہؓ کی تقلید کی۔ اسی طرح ہر خلف سلف سے سیکھتے چلے آئے۔ تو گویا دین سارا تقلید ہی تقلید ہے۔ غرض اس قسم کی الجھنوں میں ڈال کر مسئلہ تقلید کو منوانا چاہتے ہیں۔ سو آپ مسئلہ تقلید میں جو اصل چیز متنازعہ فیہ ہے اس کو سامنے رکھیں تاکہ کسی قسم کی غلطی میں نہ واقع ہوں۔ واللہ الموفق۔

تنبیہ:۔ اس تفصیل سے ایک اور بات بھی واضح ہو گئی وہ یہ کہ بعض مقلدین کہا کرتے ہیں (جن سے مولانا محمد شفیعؒ بھی ہیں جن کی تقریر اس رسالہ کے صفحہ ۵۲ میں آئے گی۔ انشاء اللہ) کہ جو احادیث سند صحیح یا تواتر سے ثابت ہیں۔ ان کی ایک قسم آپس میں متعارض و متخالف نظر آتی ہے۔ مثلاً بعض میں رفع یدین ثابت ہے۔ بعض میں نفی ہے۔ بعض میں آمین جہراً کا ذکر ہے، بعض میں سراً۔ اسی طرح مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں مختلف احادیث آئی ہیں۔ اب ان سب پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ خواہ کوئی مذہب معین رکھتا ہو یا غیر معین، اہلحدیث ہو یا مقلد کوئی بھی عمل نہیں کر سکتا۔ پس ضرور بعض پر عمل ہو گا۔ اہلحدیث کا عمل بھی بعض پر ہو گا۔ اور مقلدین کا عمل بھی بعض پر ہو گا۔ مگر فرق اتنا ہے کہ اہلحدیث اپنی رائے کے اعتماد پر بعض احادیث پر عمل کرتے ہیں اور بعض کو چھوڑتے ہیں۔ اور مقلدین ایک زبردست ہستی (مثلاً امام ابو حنیفہؒ) کے اعتماد پر بعض پر عمل کرتے ہیں اور بعض کو چھوڑتے ہیں۔" گویا ان مقلدین کے نزدیک متنازعہ فیہ شے اپنی رائے پر اعتماد اور معتمد ہستی کی رائے پر اعتماد ہے حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ اہلحدیث اور مقلدین میں جن مسائل میں اختلاف ہے، ان میں ایک حدیث صحیح بھی اہلحدیث کے خلاف نہیں ملے گی۔ چنانچہ جن مسائل کا اوپر ذکر ہو چکا ہے انہی سے

فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اسی لئے مولانا عبدالحیؒ لکھنوی نے امام الکلام میں لکھا ہے۔

"مذہب اہلحدیث کا جس مسئلہ میں مَیں نے دوسرے مذاہب سے مقابلہ کیا اہلحدیث کے مسلک کو راجح پایا۔"

اور کیوں نہ ہو جب کہ اہلحدیث کا مذہب ہی حدیث ہے۔ اگر بالفرض دونوں طرف صحیح حدیث ہو تو اہلحدیث ایک طرف کس طرح جمود کر سکتے ہیں۔ بلکہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے تو انصاف میں مسلک اہلحدیث ذکر کرتے ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ اہلحدیث کو اگر کسی مسئلہ میں حدیث نہ ملتی تو آثارِ صحابہؓ میں نظر کرتے اور بعض دفعہ آثارِ صحابہؓ دو طرح کے ہوتے تو مذہب اہلحدیث کے ایسے مسئلہ میں دو قول ہوتے ہیں۔ بھلا جو اقوال سلف کی وجہ سے دونوں کے قائل ہوتے ہیں وہ احادیث میں ایک طرف جمود کس طرح کر سکتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ ہاں جو مذہب معین کا قائل ہو وہ جمود کر سکتا ہے۔ کیونکہ اس کو اپنے امام کے مذہب کا پاس ہو گا۔ بلکہ اگر امام کا قول حدیث کے خلاف ہو تو بھی تاویل کر کے حدیث کو امام کے قول کے موافق بنانے کی کوشش کرے گا۔ تاکہ کہیں تقلید نہ چھوٹ جائے۔ برخلاف اہلحدیث کے کہ اس کو کسی کا پاس نہیں پس وہ عین شاہراہ پر ہو گا جو ٹھیٹھ اسلام ہے۔ پس ان مقلدین کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ اہلحدیث بھی بعض احادیث صحیحہ کو چھوڑتے ہیں۔

اس کے علاوہ اگر ان مقلدین کو صحیح احادیث آپس میں متعارض معلوم ہوئی تھیں تو ان کو چاہیے تھا کہ خود علم نہ ہونے کی صورت میں جس عالم سے موقعہ ملتا اپنی تسلی کر لیتے جیسے سلف کے زمانہ میں دستور تھا کہ مسئلہ نہ معلوم ہوتا تو جس سے موقعہ ملتا پوچھ لیتے۔ ساری شریعت کا مالک ایک امتی کو نہیں سمجھتے تھے کہ ہر مسئلہ میں اسی کا مذہب اختیار کریں گے، دوسرے کا نہیں کریں گے۔ اگر مقلدین یہ روش اختیار کرتے تو کوئی تنازعہ نہیں تھا بلکہ اگر اب اختیار کر لیں تو بھی تنازعہ ختم ہو سکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ تنازعہ فیہ یہ شے نہیں کہ اہلحدیث اپنی رائے پر اعتماد کرتے ہیں اور مقلدین کا مقتدر ہستی کی رائے پر اعتماد ہے بلکہ متنازعہ فیہ ایک شخص کے مذہب کا التزام ہے جیسے مقلدین نے کر رکھا ہے۔ پس آپ اس پر نظر رکھ کر آئندہ بحثوں میں غور کریں۔ خدا آپ کو حق سمجھائے اور خطا و مذلل سے بچائے۔ آمین

عبداللہ روپڑی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ
اور
مسئلہ تقلیدِ شخصی

ایک مخلصانہ اپیل

حضرات آپ سے یہ مخفی نہیں کہ عرصہ سے فریقین اہلحدیث واحناف میں مسئلہ تقلید شخصی پر اہل علم حضرات نے اثباتاً و نفیاً خامہ فرسائی کی ہے۔ مگر طرفین سے اکثر مؤلفین نے اس مسئلہ میں افراط تفریط سے کام لیا ہے بلکہ بعض اشخاص ایسے بھی ہوئے ہیں جو اس مسئلہ میں قلم اٹھانے کے بالکل اہل نہ تھے، اس لئے اس مسئلہ میں وہ کھینچ تان ہوئی کہ ایک فریق دوسرے فریق سے بدظن ہو گیا۔ اور فریقین میں نفاق و شقاق کا دروازہ کھل گیا، پس ضرورت ہے کہ مسلمان اس قدر میں آپس کے نزاع کو سمجھیں اور جو غلط فہمیاں عرصہ سے پڑ گئی ہیں ان کے ازالہ کی کوشش کر کے آپس کی منافرت کو دور کریں اور جو حق بات ہو اس کے قبول کرنے میں بلا تعصب مذہبی دریغ نہ فرمائیں اس لئے ہم آج آپ کے سامنے اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک بزرگ مسلم فریق احناف کا کلام پیش کر کے اپنا جوابی مضمون ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

اور یہ بھی یاد رہے کہ جب تک کسی شخص کا پورا مضمون انسان نہ دیکھے، تب تک وہ صحیح نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے ہم نے مولانا رشید احمد صاحبؒ کا پورا مضمون من وعن پیش کر کے جوابی مضمون

شائع کیا ہے تاکہ ہر شخص جس کی فطرتِ سلیم ہو، وہ صحیح نتیجہ پر پہنچ کر حق کی داد دے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی کا بیان[1]

"تقلیدِ شخصی واجب ہے۔ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں اپنے رسول کا اتباع فرض کیا۔ اور احادیث تمام اس پر دال ہیں اور یہ بات سب کے نزدیک مقرر ہے مگر فہم کی بات ہے کہ اتباع حضرت وہ کر سکے کہ جس نے آپ کی زیارت کی ہو ورنہ بدوں حضور خدمت کیونکر ہو سکتا ہے تو لہٰذا فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کو بھی نقل فرمایا کہ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ حق تعالیٰ نے فرمایا فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون تو پچھلوں پر پہلوں سے پوچھنا فرض فرمایا۔ صحابہؓ سے تابعین نے پڑھا اور ان کا اقتداء کیا۔ اور علیٰ ہذا تابعینؒ سے تبع تابعینؒ نے پڑھا کہ خود فرما چکے ہیں۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ان قرون کی تعریف سے یہ مقصد ہے کہ تابعین نے صحابہؓ سے سیکھا اور تبع تابعینؒ نے تابعینؒ سے اور یہ ہر سہ قرون خیر اُمت ہیں۔ ان سے میرا طریقہ لو، کیونکہ خیریت ان کی بہ سبب علم و عمل ہے۔ اور جو علم میں عمل میں اولیٰ ہوتا ہے وہی مقتداء ہوتا ہے۔ پس تعیین سنّتِ نبوی پر تحصیلِ دینِ محمدیؐ صحابہ سے اور ان کے بعد تابعین سے اور ان کے بعد تبع تابعین سے فرض ہوا۔ اور علیٰ ہذا آج تک یونہی قرن بقرن چلا آیا کہ خود فرمایا بلغوا عنی سب عالم کو خطاب کیا کہ تم تبلیغ دین کی کرو، تو ہر زمانہ میں بعبارت صریح حدیث کے علماء سے دین کی تحقیق اور علمِ نبوی کا سیکھنا فرض ہوا۔ کیونکہ بدوں تقلید پہلوں کے پچھلوں کو ہرگز دین نہیں مل سکتا۔ شتہر کو بھی تو دین پہلوں سے ہی معلوم ہوا ہے۔ کسی

---

[1] مولانا گنگوہی صاحب کا یہ مضمون بعنوان "مسئلہ وجوب تقلیدِ شخصی بجواب اشتہار غیر مقلد" اشتہاری صورت میں شائع ہوا تھا، جب ہماری نظر سے گذرا تو اسی وقت ہم نے اس کا جواب لکھ دیا جو اس مضمون کے بعد آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

کی بات ماننا اور اس کو صادق جان کر عمل کرنا اس کے ہی معنی تقلید ہیں۔ اتنی بات مقلدین و غیر مقلدین سب مسلم رکھتے ہیں۔ مگر غیر مقلدین صرف لفظوں کی تقلید کرتے ہیں کہ پہلوں سے لفظ سُن کر قبول کئے اور معنی جو چاہے آپ لگا دیئے، گو دین کے موافق ہوں یا مخالف، سُبحان اللہ، صحابہؓ جو عربی تھے اور فصاحت و نکات اپنے کلام کی جانتے تھے۔ قرآن و حدیث کے معنی کو حضرت سے اور باہم تحقیق کرتے تھے اور مقصود و معانی کی ضرورت جانتے تھے کہ مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ نے دس برس میں سورہ بقرہ کو سیکھا، یہ معانی پڑھتے تھے یا الفاظ۔ الفاظ کے پڑھنے کی ان کو کیا ضرورت تھی بلکہ تفسیر پڑھی تھی اور علیٰ ہٰذا تابعین و تبع تابعین اور سب علماء کو معنی کی تقلید ضرور ہوئی مگر جُہلاء ہند کو کچھ حاجت نہ رہی کہ فقط پہلے لوگوں کے لفظ دیکھ کر اپنی رائے سے جو چاہے معنی گھڑ لئے۔ احادیث میں موجود ہے کہ صحابہ تابعین قرآن کے متعارض مضامین کو اور غریب لغات کو تحقیق کرتے تھے۔ بہرحال تقلید لفظ و معنی دونوں کی دین میں واجب ہے تو بس اب حسبِ ارشاد شارع کے تقلید واجب ہوئی اور جو کوئی کسی عالم کی تابعین سے لے کر آج تک تقلید کرتا ہے تو تقلید صحابہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی تقلید ہے۔ کیونکہ یہ سب واسطہ و وسائل آپ کے ہیں۔ سو تابعین اور تبع تابعین کی تقلید اور ان کے شاگردوں کی تقلید صحابہ کی تقلید اور خود رسالت مآبؐ کی تقلید ہے تو بالضرور تقلید امام ابوحنیفہؒ کی تقلید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوئی اور مقلد امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ مقلد آپ کا ہی ہوا۔ اب باوجود اس بات کے کہ تقلید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدوں صحابہ اور تقلید صحابہ بدوں تابعین کے محال ہے اور قرآن و حدیث میں ان کا حکم مصرح مذکور ہو چکا تو یہ ہم پوچھتے ہیں کہ باری تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم تقلید ائمہ اربعہ کے وجوب کے اور کیا معنی ہیں؟ آیا یہ مقصود ہے کہ قرآن شریف یا حدیث میں خاص کر بنام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یا شافعی رحمۃ اللہ علیہ مثلاً حکم ہوا کہ فلاں امام کی تقلید کرنا واجب جانیو۔ اگر یہ مطلب ہے تو محض دھوکا مسلمانوں کو دینا ہے۔ بخاری و مسلم کے الفاظ کی تقلید کی کونسی مصرح حدیث یا قرآن کی آیت ہے؟ یا صحابہ میں سوائے چند نام کے کس کے نام کی تصریح آئی ہے؟ معاذ اللہ

اور اگر صحابہؓ کے قرن میں لفظ اصحابی کالنجوم پر قناعت ہے تو ثم الذین یلونھم اور لفظ اھل الذکر کے عموم میں کیا قباحت دیکھی جو یہاں تخصیص اسمی کی ضرورت پڑی۔ اگر مشتہر ہم سے امام ابوحنیفہ یا امام شافعیؒ کے تصریح اسم کی نص مانگتا ہے تو ہم بھی صحابہؓ کے ہر ہر واحد کے نام کی صراحت نص سے پوچھتے ہیں اور بخاری و مسلم وغیرہما تمام ائمہ حدیث کی تقلید لفظی کی حدیث صریح طلب کرتے ہیں۔ الغرض یہ سب مغالطہ اور دھوکا ہے۔ بات یہ ہے کہ جیسا صحابہؓ نے حضرتؐ سے دین لیا اور تبع تابعینؒ نے صحابہؓ و تابعینؒ سے اور جب صحابہؓ کی تقلید کا ارشاد کیا تو سب صحابہ کا گویا نام ہی لے دیا۔ اور جب کہ تابعینؒ کا علم صحابہؓ کا علم ہے تو سب تابعینؒ نے تقلید کو ضروری فرما دیا۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ بعد کے قرون میں اور امام ابوحنیفہؒ[1] بھی تابعین میں سے ہیں۔ چنانچہ جلال الدین سیوطیؒ نے ایک رسالہ اس باب میں لکھا ہے تو ان کی تقلید نص سے ثابت ہوئی کیونکہ ان کی سب فقہ، حدیث، صحابہ کے اقوال و افعال سے حاصل و مستنبط ہے اور علیٰ ہذا۔ شافعیؒ وغیرہ ائمہ تبع تابعینؒ کے شاگرد ہیں۔ ان کا علم بھی صحابہؓ سے مستفاد ہے۔ بس اب کس منہ سے کوئی ان کی تقلید سے انکار کرے گا۔ ان کے نام کی نص صریح مانگنے میں مشتہر کا قافیہ تنگ ہوگا، دیکھیں گے کہ وہ کس کس اپنے مقتداؤں کی نص صریح للعے گا۔ ہاں ایک بات باقی رہی وہ یہ ہے کہ مشتہر کا مطلب ہو کہ تقلید سب صحابہؓ کی درست و ضرور ہے پھر خاص کر ایک ہی کی تقلید کرنے کی کیا ضرورت ہے اور وجوب ایک ہی شخص کا کس نص میں آیا ہے۔ نص قرآنی و حدیث تو علی العموم سب کی تقلید کا ارشاد فرماتی ہے۔ اور تابعینؒ و تبع تابعین کی طرز سے بھی یہی ظاہر ہے کہ وہ کسی ایک کے شاگرد نہیں بلکہ بہت بہت لوگوں سے علم ان کا حاصل ہے۔ البتہ یہ بات قابلِ التفات و جواب ہے۔ تو اوّل ہوش کر کے یہ بات سنو کہ حدیث اصحابی کالنجوم کے یہ معنی ہیں کہ میرے سارے اصحاب مثل ستارے کے ہیں۔ تم جس کسی ایک صحابیؓ کی بھی اقتداء کرو گے تو

---

[1] صحیح یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ تابعی نہیں۔ ملاحظہ ہو اسماء الرجال ملحقہ مشکوٰۃ ۔ ۱۲

ہدایت پاؤگے تو مطلب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ فقط ایک صحابیؓ خواہ کوئی ہو ہدایت کے واسطے کافی ہے یہ معنی نہیں کہ سب کی اقتداء کروگے تو ہدایت پاؤگے ورنہ نہیں۔ مگر ہاں جب ایک ہی کی اقتدا میں ہدایت ہے۔ اگر چند صحابہؓ کی اقتداء ہوگی اور مسائل اور مواقع متعددہ میں اصحابؓ متعددہ سے اقتباس کرے گا تو بھی ہدایت ہووے گی تو بس اس حدیث میں آپ نے ایک صحابی کی تقلید کو کافی فرمایا اور زیادہ کی تقلید کو منع نہیں فرمایا۔ اور فی الواقع مسئلہ مختلفہ میں ایک وقت میں تو ایک ہی کی تقلید ممکن ہے دو یا تین کی تقلید ہو ہی نہیں سکتی۔ اور اوپر کی تقریر سے یہ واضح ہوگیا کہ تقلید تابعیؒ کی تقلید صحابیؓ ہی ہے۔ اور علیٰ ہذا یہ حکم جیسا صحابہ کی نسبت ہے ویسا ہی تابعین اور تبع تابعین کی نسبت بھی ہے کہ ایک کی تقلید ضروری ہے اور زیادہ کی منع نہیں تو بہر حال اتباع دین حاصل ہوتا ہے اور ہدایت پاتا ہے۔ اور فاسئلوا۔ الخ کا امتثال پورا حاصل ہوتا ہے۔ اور اصحابی کالنجوم الخ پر کامل عامل بنتا ہے۔ اور تقلید میں کوئی کراہت یا کوئی ترکِ اولیٰ نہیں۔ اور مطلق تقلید کی جو مامور بہ ہے یہ بھی ایک فرد ہے۔ اگرچہ دوسرے فرد کہ چند علماء کا مقتدر ہے وہ بھی اصل روا اور جائز ہے اور ہم لوگ اس تقلید شخصی کے ہے تو پس مقلد امام ابوحنیفہؒ و امام شافعیؒ وغیرہما کا مقلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ان میں سے کسی کا نام لے کر فرمانے کی ضرورت نہیں، کیونکہ کلیہ کی جزئیات اور عام کی افراد بحکم صراحت ہی ہوتی ہے۔ اور اگر مشتہر کا مذہب کلیہ میں صراحت اسی کا ہے تو تمام کلیات وعمومات وارده نصوص لغو ہو جاویں گی، سب زانی وسارق وغاصب اپنے نام سے تصریح مانیں گے۔ جیسا کفار کہا کرتے تھے کہ خاص ہمارے نام حکم نامہ لاؤ۔ الحاصل یہ نہایت لچر لوز مطالبہ ہے اور واہی بات محض دھوکا ہے۔ بعد دریافت اس بات کے دوسری بات سنو کہ حق تعالیٰ قرآن شریف میں بقولہ لا تفرقوا حکم اتفاق کا اہل اسلام کو دیتا ہے اور اجتماع اور عدم تنازع کو فرض فرماتا ہے۔ اور جو امر تفریق ڈالنے والا ہو، اس کو منع اور حرام فرماتا ہے، اگرچہ وہ امر مستحب ہی ہو، سو جو امر ایک وقت میں مستحب تھا، جب اس امر سے مسلمانوں میں فساد ہونے لگا وہ امر حرام ہو جاتا ہے۔ دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے باندیشۂ افتراق اُمّت کے بیت اللہ شریف کی دیوار کو اپنے موقع پر نہ بنایا اور خود آپ نے تطویل قرأت فی الصلوٰۃ کو مستحب فرمایا تھا کہ عمدہ نماز وہ ہے جس میں قرآن زیادہ پڑھا جاوے اور حضرت معاذؓ نے اسی پر عمل کیا تو جب ایک صحابی نے شکایت کی کہ ہم زراعت کرنے والے ہیں۔ معاذؓ کی طول قرأت سے ہم کو تکلیف ہوتی ہے تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کو فتان فرمایا اور چھوٹی قرأت کو واجب کر دیا کیونکہ قرأت کے ادا کرنے کو ادنیٰ درجہ کافی تھا اور یہ طریقہ موجب اتفاق تھا۔ اور دوسرا طریقہ حالانکہ مستحسن تھا مگر وقت افتراق کے اس کو فتنہ فرما دیا اور اس پر عمل کرنے والے کو فتنہ انگیز ٹھہرایا۔ پس یہ قاعدہ مسلّم شرع کا ہے کہ اگر ادائے واجب کے دو طریقے ہیں۔ ایک میں فساد ہوتا ہو۔ اور دوسرے میں اتفاق رہتا ہو تو وہ طریقہ جس میں فساد ہو اختیار کرنا حرام ہو جاتا ہے اور دوسرا طریقہ واجب معین ٹھہر جاتا ہے اگرچہ وہ طریقہ جس میں افتراق ہوتا ہے۔ اصل میں عمدہ ہی کیوں نہ ہو مگر اس عارضی امر سے حرام بنتا ہے۔ اب ان دونوں امر کے بعد جواب اس خدشہ کا صاف نکل آیا کہ تقلید شخصی کرنے والے اہلِ ہند سے مثلاً اپنے فرض سے فارغ تھے اور امتثال امر خداوندی و دینی میں سرگرم اب اگر عدمِ تقلید شخصی کو کرانا چاہتا ہے تو بحکم مقدمہ ثانیہ معلوم ہوا کہ فتنہ و افتراقِ اُمّت میں ڈالتا ہے۔ لہٰذا یہ امر ناجائز ہوا۔ اور تقلیدِ شخصی واجب ہوئی۔ لہٰذا ہم کہتے ہیں کہ اب تقلیدِ شخصی واجب بالغیر ہوگی اور عدمِ تقلید حرام بالغیر بنی اور جو کچھ فتنہ و نزاع اور اختلاف باہم اس عدمِ تقلید میں ہے وہ سب کو نظر آتا ہے مگر ہاں حق تعالیٰ جس کو کور باطن کر دے۔ وہ اس فساد کے معائنہ سے معذور ہے۔ اب بفضلہٖ تعالیٰ وجوبِ تقلید بخوبی ثابت ہو گیا۔ اور تقلیدِ ائمہ اربعہ کسی امام کی بالتعیین واجب و ثابت نصّ قرآنی و حدیث نبوی سے ہو گئی۔ کسی مسلمان کو تردّد لائق نہیں اور یہ سوال مشتہر کا اصل سب سوالات کی ہے اور یہ بات اس کی جڑ بہت سے خدشات کی ہے۔ اور ما بہ الافتخار اس کا ہے۔ اس واسطے ہم نے اس کو بہت دراز لکھا ہے۔ اس جواب کو بہت غور سے دیکھنا چاہیئے کہ بہت فہم سے سب خدشے رفع ہو جاتے ہیں۔ فقط۔ واللہ تعالیٰ اعلم کتبہ الراجی رحمۃ ربہ رشید احمد عفی عنہ

مولانا گنگوہیؒ کی تقریر کا جواب

یہ بات ظاہر ہے کہ جب انسان اصل نزاع پر نظر نہ رکھتے یا بغیر سوچے سمجھے بولتا یا لکھتا جائے، تو اس کا بولنا یا لکھنا سب فضول ہوتا ہے بلکہ بعید نہیں کہ اُس کی زبان سے یا اُس کے قلم سے اپنے تردیدی الفاظ نکل جائیں۔ مولانا رشید احمد صاحبؒ کی اس تحریر کا بھی حال ہے۔ بعض جگہ تو ویسے ہی لکھتے چلے گئے ہیں۔ یہ پتہ ہی نہیں کہ اصل نزاع کیا ہے۔ بعض جگہ اپنی تردید خود کر گئے ہیں، بعض جگہ اصل نزاع پر آئے مگر اس میں بھی بعض مقامات پر اپنی تردید کر گئے بعض جگہ غیر مناسب لکھ گئے، اب اس کی تفصیل و تشریح غور سے سُنیے۔

اصل نزاع :۔

اصل نزاع یہ ہے کہ کیا شریعت میں یہ ثابت ہے کہ انسان اپنا سارے دین کا مدار کسی امتی شخص پر رکھدے۔ اور اپنے ذمے لازم کرے کہ ہر مسئلہ اُسی کا مانوں گا۔ یہاں تک کہ اپنی مذہبی نسبت بھی اُسی کی طرف کرلے مثلاً حنفی یا شافعی وغیرہ کہلائے۔ پھر خواہ اس کا نام کوئی مذہب رکھے یا مشرب رکھے یا تقلید شخصی رکھے یا کسی اور نام سے موسوم کرے۔ بہر صورت جو کچھ نزاع ہے یہی ہے۔ آج کل اہل حدیث و احناف میں یہی مسئلہ متنازعہ فیہ ہے۔

اصل نزاع سے گریز اور اس کی تردید :۔

مولانا رشید احمد صاحبؒ نے اپنی اس تحریر کے آخری حصہ میں اس محلِ نزاع کا ذکر کیا ہے۔ جہاں لکھا ہے کہ "ایک بات باقی رہی وہ یہ ہے کہ مشتہر کا یہ مطلب ہو کہ تقلید سب صحابہ کی درست و ضرور ہے۔ پھر خاص کر ایک ہی کی تقلید کرنے کی کیا ضرورت ہے اس سے پہلے جو کچھ لکھا ہے وہ ویسے ہی بے سوچے سمجھے لکھتے چلے گئے ہیں بلکہ اس میں دل کھول کر محل نزاع کی تردید کی ہے کیونکہ انہوں نے شروع مضمون میں حدیث اصحابی کا لنجوم ذکر کی ہے اس کے بعد آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر ذکر کی ہے۔ پھر ان پر عمل کرنے کی صورت پیش کی ہے

کہ تابعینؒ نے صحابہؓ سے دین سیکھا اسی طرح پچھلوں کو سیکھنا چاہیئے اور اسی طرح سے سیکھنا سکھانا فرض بتلایا ہے اور دلیل اس کی یہ دی ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً۔ یعنی" ایک آیت ہو تو وہ بھی پہنچا دو"۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ صحابہ تابعینؒ تبع تابعینؒ کے زمانہ میں دین سیکھنے سکھانے کا طریقہ یہ تھا کہ کوئی شخص نہ کسی مذہب خاص کی تلاش کرتا تھا اور نہ کسی امتی کی طرف کوئی نسبت لگاتا تھا بلکہ دریافت مسائل کا فقط ایک ہی طریق تھا کہ حسب ضرورت جس عالم سے موقعہ ملتا تھا بحکم آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر خدا اور رسول کا حکم دریافت کر کے عمل کر لیتا تھا پس خاص کسی ایک امتی کے مذہب کی پابندی کرنا یقیناً خیر القرون کی روش و طریقہ کے خلاف کرنا ہے اور زمانہ صحابہ و تابعین و تبع تابعین کو حدیث مرفوع میں خیر القرون کہا گیا ہے اور ہم ان کی اقتداء کے مامور ہیں لہٰذا حق پر وہی فرقہ ہو گا جو ان کی روش کے خلاف اپنا دستور العمل نہ بنائے اور نہ کسی خاص مذہب امتی کا پابند ہو اور نہ کسی امتی کی طرف اپنی مذہبی نسبت لگائے (نعم ما قیل) ع کسی کا ہو رہے کوئی نبیؐ کے ہو رہیں گے ہم۔

بلکہ خیر القرون کی روش اس کا نصب العین ہو اور اُسی کے مطابق اپنا عمل درآمد رکھے۔ سو درحقیقت اگر انصاف سے دیکھا جائے تو اس روش سلف امت پر اہلحدیث جماعت ہی ہے۔ مقلدین کو اس سے کوسوں دُوری ہے مگر اس کے لیے چشم بینا چاہیئے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آیت و حدیث کے معنی و مفہوم کو اسی طرح سمجھنا و ماننا چاہیئے جیسے سلف امت صحابہ و تابعین نے سمجھے۔ پس مقلدین کا آیت فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اور حدیث اصحابی کالنجوم سے تقلید شخصی پر استدلال کرنا اور سارے دین کا مدار ایک امتی شخص پر ٹھہرا لینا روش سلف کے بداہتہً خلاف ہے، کیونکہ خیر القرون میں آج تک کسی صحابی و تابعی نے اس آیت مذکورہ و حدیث اصحابی کالنجوم کا یہ معنی نہیں سمجھا اور نہ انہوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی نسبت ہٹا کر کسی صحابی و تابعی کی طرف لگائی۔ پس جہلاء ہند کا خطاب پانے کے قابل اگر کوئی ہے تو یہی مقلدین ہیں جو محض اپنے مذہب و امام کی عصبیت میں پڑ کر قرآن و حدیث کی بیجا و ناروا تاویلیں کرنا فقاہت

سمجھے ہوئے ہیں۔ جو درحقیقت جہالت وبطالت ہے۔

حدیث اصحابی کالنجوم ثابت نہیں:۔

نیز حدیث اصحابی کا لنجوم ثابت بھی نہیں ہے۔ قاضی شوکانی ؒ نے القول المفید کے صفحہ ۹ میں اس کی تصریح کی ہے بلکہ مولانا رشید احمد صاحب خود سبیل الرشاد کے صفحہ ۳ میں لکھتے ہیں کہ:۔ ابن حجر وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔ مگر ساتھ ہی لکھا ہے کہ حدیث اختلاف امتی رحمۃ اور اختلاف اصحابی رحمۃ اس کی شاہد ہے۔ یہ طرق سب جمع ہو کر یہ حدیث حسن لغیرہ ہو گئی۔

ضعیف حدیث کا تعددِ طرق سے قوی ہونا، قاعدہ کلیہ نہیں:۔

لیکن مولانا رشید احمد صاحب کو اتنا خیال نہیں کہ یہ حدیث حسن لغیرہ اس وقت ہوتی جب حدیث اختلاف امتی رحمۃ یا اختلاف اصحابی رحمۃ میں کچھ جان ہوتی بلکہ یہ دونوں حدیثیں موضوع کے قریب ہیں اس لیے یہ حدیث اصحابی کا لنجوم کی مؤیدات نہیں ہو سکتیں چنانچہ حافظ زیلعی حنفی لکھتے ہیں۔

کم من حدیث کثرت رواتہ و تعددت طرقہ وھو حدیث ضعیف کحدیث الطیر وحدیث الحاجم والمحجوم وحدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ، بل قد لا یزید الحدیث کثرۃ الطرق الا ضعفا وانما ترجیح بکثرۃ الرواۃ انا کانت الرواۃ محتجابھم من الطرفین الخ

(تخریج علی الھدایہ جلد ا صفحہ ۱۸۹)

حافظ زیلعی کی عبارت کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ کلیۃً یہ سمجھنا کہ حدیث ضعیف تعددِ طرق سے قوت پکڑ لیتی ہے، غلط ہے۔ کیونکہ بہت سی ایسی ضعیف روایتیں ہیں جو تعدد طرق سے مروی بھی ہیں مگر ضعیف ہی ہیں (قابل حجت نہیں) جیسے حدیث حاجم محجوم وحدیث مولیٰ علی۔ بلکہ کثرتِ طُرق سے بعض دفعہ اور زیادہ ضعیف ہو جاتی ہے۔ کثرت طرق سے اس حدیث کو تائید و قوت ہوتی ہے جس کے رُواۃ طرفین سے قا

بول: مگر قدرے اس میں کمی ہو)

افسوس، جب انسان کے دل میں کسی شئی کی محبت بیٹھ جاتی ہے تو پھر وہ کسی چیز اصول وغیرہ کی بھی پرواہ نہیں کرتا سچ ہے۔ حُبُّكَ الشَّئِ يُعْمِي وَيُصِمُّ یعنی شئے کی محبت انسان کی عقل پر اس کے نقائص سے پردہ ڈال دیتی ہے۔ دوسرے ان روایات مؤیدہ میں اقتداء ہی کا ذکر نہیں چہ جائیکہ ان میں ایک صحابی کی اقتداء کا ذکر و ثبوت ہو۔ جو محل استدلال ہے تو پھر تاکید کیسے؟ تیسرے اختلاف و رحمت ہونے کے کئی معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کو مواخذہ نہیں کیونکہ غلطی پر بھی ان کو ایک اجر ملتا ہے۔ دوسرا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ گمراہی پر جمع نہ ہوں گے ضرور ایک فرقہ اختلاف کی صورت میں حق پر رہے گا۔ ان کے علاوہ اور معانی بھی ہو سکتے ہیں۔ دیکھو موضوعات ملا علی قاری وغیرہ۔ فاذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

میں نہیں سمجھتا کہ مقلدین ایک امتی کی تقلید کے لیے اتنی دوڑ دھوپ وکاوشیں کیوں کرتے ہیں؟ ناظرین خیال فرمائیں کہ ہمارے بھائی کیسے دلیر ہیں کہ نام تو اپنا مقلد رکھتے ہیں مگر تاویل و اجتہاد میں اپنے اسلاف سے بھی دو قدم آگے رکھتے ہیں اور احادیث کے معانی خود تراشتے ہیں اور صحیح روایت کی جگہ ضعیف روایت کو استدلالاً پیش کرتے ہیں پھر الزام اہلحدیث کو دیتے ہیں کہ یہ معنی حدیث کے اپنی طرف سے لگاتے ہیں۔

خدا و رسول کی بات ماننے کو تقلید نہیں کہا جاتا:

اس کے علاوہ مولانا رشید احمد صاحب نے اور کئی جگہ اصول کے خلاف کیا ہے۔ اصول میں لکھا ہے کہ خدا و رسول کی بات کو ماننا تقلید نہیں چنانچہ تحریر ابن الہمام کے اخیر میں ہے لیس الرجوع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والاجماع منہ یعنی "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں"۔ مگر مولانا رشید احمدؒ اس کا نام تقلید رکھتے ہیں۔ بلکہ اصولاً تو صحابی کے قول کو ماننا بھی تقلید نہیں۔ کیونکہ قول صحابیؓ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حدیث مرفوع کی قسم سے ہے چنانچہ تعریف اہلحدیث کے حصہ دوم میں ہم نے اس کو مفصلاً بیان کیا ہے۔ اسی بناء پر امام شوکانیؒ نے القول المفید کے صفحہ ۔ میں کہا ہے کہ صحابی کا قول حجت ہونے[1]

---

[1] قول صحابی کے حجت ہونے کی مستقل بحث ہمارے رسالہ تعریف اہلحدیث اور تعریف اہل سنت میں ملاحظہ کریں ۱۲

سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام ابو حنیفہؒ وغیرہ کا قول بھی حجت ہو۔

اپنے ہی اصول اور مذہب سے بے خبری :-

پس جو حدیث صحابہؓ کی بابت آئی ہو اس سے اماموں کی تقلید ثابت کرنا یہ بھی اصول سے ناواقفی ہے بلکہ اپنے امام کے مذہب سے بھی بیخبری ہے۔

نقل تواتر اور نقل صریح کو ماننا بھی تقلید نہیں :-

اسی طرح الفاظ کے ماننے کو تقلید کہنا یہ بھی ٹھیک نہیں مثلاً قرآن مجید کے الفاظ ہم تک تواتر سے پہنچے ہیں۔ اسی طرح بعض احادیث بھی تواتر سے پہنچی ہیں اور جو بات تواتر سے پہنچے اس کو کسی نے آج تک تقلید نہیں کہا۔ مثلاً شہر کلکتہ یا ممبئی کسی نے دیکھا نہ ہو۔ دوسروں کے ذریعہ سے اس کو علم ہے تو کیا یہ تقلید ہے ؟ ہرگز نہیں، ٹھیک اسی طرح قرآن وغیرہ کے الفاظ کو سمجھ لینا چاہیئے بلکہ قرآن و حدیث کا ماننا مطلقاً تقلید نہیں، خواہ حد تواتر کو پہنچے یا نہ۔ چنانچہ ابھی گذرا ہے۔ کہ خدا و رسول کی بات کو ماننا تقلید نہیں بلکہ نقل صریح کسی کی ہو اس کا ماننا بھی تقلید نہیں۔ مثلاً حاکم شہادت لے کر مقدمہ کا فیصلہ کرتا ہے تو کوئی نہیں کہتا کہ حاکم نے گواہوں کی تقلید کی بلکہ جب اپیل ہوتی ہے تو حاکم اعلیٰ بعض دفعہ حاکم ماتحت کے فیصلہ کی تردید کرتا ہے لیکن حاکم ماتحت نے گواہوں کے بیانات جو کچھ قلمبند کئے ہیں ان میں حاکم ماتحت کی تصدیق کرتا ہے مگر کوئی نہیں کہتا کہ حاکم اعلیٰ نے بیانات قلم بند کردہ کی تصدیق کرنے میں حاکم ماتحت کی تقلید کی۔ پس معلوم ہوا کہ نقل صریح کسی صورت میں تقلید نہیں بنتی بلکہ بعض صورتیں نقل غیر صریح کی بھی تقلید سے نہیں، چنانچہ ابھی گذرا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قول صحابیؓ حدیث کی قسم سے ہے اور حدیث کا ماننا تقلید نہیں۔ مولانا رشید احمد صاحبؒ نے اس جگہ بڑی غلطی کی ہے۔

کسی عالم کی تقلید، رسول اللہ کی تقلید نہیں :-

اسی طرح اور کئی جگہ غلطیاں کی ہیں مثلاً لکھا ہے کہ :-

"کہ جو کوئی کسی عالم کی تابعینؒ سے لے کر آج تک تقلید کرتا ہے تو تقلید صحابہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید ہے کیونکہ یہ سب واسطے اور وسائل آپ کے ہیں"۔

حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ایک شخص مثلاً امام ابوحنیفہ صاحبؒ کی یا امام مالکؒ کی تقلید کرتا ہے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ شوال کے چھ روزے مکروہ ہیں اور امام ابوحنیفہ صاحبؒ مکروہ اور بدعت کہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مؤطا امام مالک صفحہ ۹۸ اور نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۱۲۰ اور عالمگیری مصری جلد ا صفحہ ۲۱۳۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص رمضان کے روزے رکھ کر ۶ روزے شوال کے پیچھے لگادے وہ ایسا ہو گیا جیسے سارا سال روزے رکھتا رہا۔ اسی طرح اور بھی کئی مسائل اماموں کے ...... احادیث نبویہ کے خلاف ہیں چنانچہ بہت سی مثالیں ہم نے تعریف اہلحدیث حصہ دوم میں ذکر کی ہیں۔ تو بتلایئے، ان کی تقلید کرنے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقلد کس طرح ہوا؟ ہاں اگر مقلد بمعنی مخالف ہو تو مولانا رشید احمد کی تعریف صحیح ہو سکتی ہے۔ پس یہ کہنا کیونکر صحیح ہو گا کہ کسی عالم کی تقلید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید ہے۔

اس کے علاوہ جب اماموں کا آپس میں اختلاف ہو، ایک امام کچھ کہے دوسرا کچھ مثلاً عقیقہ ایک مشہور رسم ہے، سب امام اس کے قائل ہیں لیکن امام ابوحنیفہؒ وغیرہ قائل نہیں۔ امام محمدؒ کتاب الآثار میں لکھتے ہیں۔

ان العقیقة کانت فی الجاهلیة فلما جاء الاسلام رفضت قال محمد وبه ناخذ وهو قول ابی حنیفةؒ (التعلیق المجد علی مؤطا الامام محمدؒ ص ۲۸۸)

یعنی "عقیقہ جاہلیت میں تھا جب اسلام آیا تو چھوڑ دیا گیا ہم بھی اسی کو لیتے ہیں اور امام ابوحنیفہؒ صاحب کا بھی یہی قول ہے"۔

امام محمدؒ جامع صغیر میں لکھتے ہیں، لا یعق لا عن الغلام ولا عن الجاریه (حواله مذکوره)

یعنی "عقیقہ نہ لڑکے کا کرنا چاہیئے، نہ لڑکی کا"۔

اسی طرح امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ طلاقِ مُکرَہ (جس شخص سے جبراً طلاق دلوائی جائے اس کی طلاق) واقع نہیں ہوئی احناف کہتے ہیں واقع ہو جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو مؤطا امام مالک صفحہ ۲۱۵ و ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۹۔

اسی طرح امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں، جو شخص قسم کھائے کہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جائے گا۔ اگر وہ چار ماہ تک بیوی کے پاس نہ گیا اور بدستور اپنی قسم پر قائم رہا تو چار ماہ گذرنے کے بعد اس کو مجبور کیا جائے گا کہ اپنی قسم توڑ دے یا بیوی کو طلاق دے۔ اور حنفیہ کہتے ہیں کہ مجبور کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ خود بخود چار ماہ گذرتے ہی طلاق پڑ جائے گی ملاحظہ ہو مؤطا و ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۶۸۔ اسی طرح امام شافعیؒ کہتے ہیں، خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے، حنفیہ کہتے ہیں خلع طلاق ہے۔ ملاحظہ ہو توضیح تلویح طبع مصر صفحہ ۶۸۔

اس قسم کے سینکڑوں اختلافات ہیں جن میں ایک شئے ایک امام کے نزدیک جائز ہے تو دوسرا اس کو ناجائز کہتا ہے اب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ یہ شئے خدا و رسولؐ کے نزدیک جائز بھی ہو اور ناجائز بھی بلکہ جائز ہوگی یا ناجائز ہوگی اگر جائز ہوگی تو ناجائز کہنے والا غلطی پر ہے۔ اگر ناجائز ہوگی تو جائز کہنے والا غلطی پر ہے پس یہ کہنا کیونکر صحیح ہے کہ کسی عالم کی تقلید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تقلید ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقلید چھوڑ کر تحقیق سے کام لینا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ ہم کسی امام کی غلط بات لے لیں۔

ائمہ دین نے تقلید سے منع کیا ہے۔

اسی لیے امام ابوحنیفہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی یعنی "جس کو میرے قول کی دلیل معلوم نہ ہو اس کو میرے قول پر فتوے دینا حرام ہے۔" امام احمد صاحبؒ فرماتے ہیں، لا تقلدن دینك رجلا وخذ الاحکام من حیث اخذوا۔ یعنی "کسی کی تقلید نہ کرنا اور جیسے انہوں نے احکام لیے اسی طرح تُو لے" اور جو خود احکام نہ معلوم کر سکے وہ جس سے موقعہ ملے پوچھ لے۔ جیسے خیر قرون میں دستور تھا، یہ نہ ہونا چاہیئے کہ اپنا سارا دین ایک کے گلے میں باندھ دے

اور ہر ایک بات میں اس کا مذہب اپنے ذمہ لازم کرے جیسے نبی کی بات ماننی لازم ہے۔ اس سے اماموں نے منع کیا ہے۔ ان کے اقوال کی زیادہ تفصیل "اہلحدیث کے امتیازی مسائل" میں اور "تعریف اہلحدیث" حصہ اول میں موجود ہے۔

تقلید کی غلط اور خودساختہ تعریف:-

پھر مولانا رشید احمد نے جو تقلید کی تعریف کی ہے کہ "کسی کی بات ماننا اور اس کو صادق جان کر عمل کرنا" بھی ان کی اپنی ایجاد ہے۔ اصول کی کتابوں میں تقلید کی تعریف اس کے خلاف لکھی ہے۔ جمع الجوامع میں ہے:-

اخذ قول الغیر من غیر معرفة دلیله (جمع الجوامع للسبکی جلد ۲ ص[۲۵]) یعنی "بغیر پہچاننے دلیل کے کسی کا قول لینا تقلید ہے"۔ بلکہ خود مولانا گنگوہی نے "سبیل الرشاد" میں تقلید کا وہی معنی لکھا ہے، جو کتب اصول میں ہے، فرماتے ہیں:-

"تقلید اس کو کہتے ہیں کہ کسی کے قول کو بدوں اس کی دلیل سمجھنے کے قبول و معمول کر لیوے"۔ (سبیل الرشاد ص[۲۵])

ناظرین خیال فرمائیں کہ مولانا گنگوہی صاحب کی تحریر کا کوئی سر پیر ہے! ویسے ہی لکھتے چلے جاتے ہیں۔ محلِ نزاع ...... سے اسے کوئی تعلق ہی نہیں بلکہ سراسر اپنی تردید کر رہے ہیں اور جگہ جگہ اصول کے خلاف لکھ رہے ہیں، پھر اس کے بعد جہاں اصل نزاع کی طرف کچھ توجہ کی ہے یعنی لکھا ہے کہ

"ایک بات باقی رہی وہ یہ ہے کہ مشتہر کا یہ مطلب ہو کہ تقلید سب صحابہؓ کی درست و ضرور ہے پھر خاص کر ایک ہی کی تقلید کرنے کی کیا ضرورت ہے"۔ الخ، اس میں بھی کئی غلطیاں کی ہیں۔

مثلاً ایک صحابیؓ کی تقلید ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ ایک صحابیؓ کی تقلید نہ کسی نے کی ہے، نہ ہو سکتی ہے۔ دیکھئے!

احناف کا اپنا عمل اس کے خلاف ہے:۔

عبداللہ بن مسعودؓ کو حنفیہ بہت بڑا فقیہ مانتے ہیں یہاں تک کہ ان کو فقہ کا بیج بونے والا قرار دیتے ہیں چنانچہ درمختار کے مقدمہ میں لکھا ہے: الفقه زرعه عبد الله بن مسعود۔ یعنی "فقہ کا کھیت عبداللہ بن مسعودؓ نے بویا ہے" لیکن پھر بھی ساری باتیں ان کی کوئی نہیں مانتا نہ احناف نہ کوئی اور۔ مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کے قائل نہیں بلکہ دونوں ہاتھ ملا کر دو گھٹنوں کے درمیان رکھنے کے قائل ہیں۔

نیز ایک امام اور دو مقتدی ہوں تو ان کا مذہب ہے کہ ایک مقتدی امام کی دائیں طرف کھڑا ہو دوسرا بائیں طرف اور امام دونوں کے درمیان کھڑا ہو۔

نیز عورت کا بوسہ لینے سے ان کے نزدیک وضوء ٹوٹ جاتا ہے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب مایوجب الوضوء حاشیہ

نیز اگر کوئی شخص جنبی ہو جائے اور اس کو پانی نہ ملے تو وہ اس کو تیمم کی اجازت نہیں دیتے بلکہ ان کے نزدیک جب تک پانی نہ ملے نماز نہ پڑھے۔

اس قسم کے ان کے بہت سے مسائل ہیں جو حنفیہ نہیں مانتے اور کئی ایسے ہیں جو شافعیہ نہیں مانتے مثلاً حنفیہ کے ہاں مشہور ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ رفعیدین کے قائل نہیں اور اس مسئلہ میں مایۂ ناز ان کا عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے مگر شافعیہ وغیرہ نہیں مانتے۔ جب کوئی قول مانا جاتا ہے کوئی چھوڑا جاتا ہے تو معلوم ہوا اختلاف کے وقت تحقیق سے کام لینا چاہیئے، جس کا قول دلیل کی رُو سے راجح ہو۔ اُس کا لے لیا جائے، دوسرے کا چھوڑ دیا جائے۔ ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ ایک کا مذہب اپنے ذمہ لازم کرلے کہ ہر مسئلہ میں اُسی کا قول اختیار کروں گا یہ رسول کی شان ہے کسی امتی کی یہ شان نہیں۔ اور جب صحابی کے ساتھ ایسا کرنا جائز نہ ہوا تو اماموں کے ساتھ ایسا کرنا بطریق اولیٰ جائز نہ ہوا۔ خدا جانے مولانا رشید احمد صاحبؒ اس پر کیوں زور دے رہے ہیں اور سلف کی روش کو کیوں چھوڑ رہے ہیں۔ یہ ان کی سراسر غلطی ہے۔

آیت فاسئلوا اھل الذکر سے تقلیدِ شخصی کی تردید ہوتی ہے نہ کہ اُس کا اثبات

پھر اس کو مامور بہ کا ایک فرد کہہ کر ضروری کہنا یہ ان کی ڈبل غلطی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ کتب فقہ کتاب الایمان میں مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ میں فلاں سے کلام نہیں کروں گا پھر اس کے مرنے کے بعد اس سے کلام کرے تو حانث نہیں ہوگا یعنی کلام کرنے والے پر قسم کا کفارہ نہیں پڑے گا کیونکہ کلام اس سے ہوتا ہے جو سمجھے، مُردہ سنتا ہی نہیں تو اس سے کلام کیسے؛ ملاحظہ ہو شرح وقایہ اور ہدایہ، اور اس میں شبہ نہیں کہ سوال بھی کلام کی ایک قسم ہے تو یہ بھی زندہ ہی سے ہوسکتا ہے، مُردہ سے نہیں ہوسکتا پس آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر میں سوال سے مراد بھی زندہ ہی سے سوال ہوگا اور امام چونکہ زندہ نہیں! اس لیے ان کی تقلید اس آیت کے تحت نہیں آسکتی کیونکہ ان سے سوال نہیں ہوسکتا ہاں کسی زندہ عالم سے یوں سوال ہوسکتا ہے کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ صاحب کا یا امام مالک صاحب کا کیا قول ہے لیکن اس آیت کا یہ معنیٰ نہیں کہ کسی زندہ عالم سے کسی امام کے مقلد بن کر اس کا قول دریافت کیا کرو، نہ کسی مسلمان کی یہ شان ہے کہ اس آیت کا ایسا معنیٰ کرے بلکہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں خدا و رسول کی بات کا علم نہ ہو تو جس عالم سے اتفاق پڑے خدا و رسول کی بات دریافت کرلو۔ جیسے سلف کے زمانہ میں دستور تھا۔

اور اگر بالفرض ہم تسلیم کرلیں کہ اماموں سے بھی سوال ہوسکتا ہے تو اس کی پانچ صورتیں ہیں۔

ایک یہ کہ اپنے ذمہ لازم کرلیں کہ ہر ایک مسئلہ ایک ہی امام سے پوچھیں گے۔

دوسری یہ کہ اپنے ذمہ لازم کرلیں کہ ایک مسئلہ کسی امام کا لیں گے، ایک مسئلہ کسی کا۔

تیسری یہ کہ لازم کرلیں کہ ہر مسئلہ متعدد علماء سے پوچھیں گے۔

چوتھی یہ کہ لازم کرلیں کہ ہر مسئلہ تمام علماء سے پوچھیں گے۔

پانچویں یہ کہ لازم کرلیں کہ ان سے کچھ بھی لازم نہ کریں بلکہ جس سے اتفاق پڑے پوچھ لیں۔

ان پانچ کے علاوہ بعض صورتیں اور بھی ہیں جو علماء پر مخفی نہیں ۔

چوتھی پر تو خیر عمل ہی مشکل ہے ۔ دوسری ، تیسری کی نسبت ہم پوچھتے ہیں ، جائز ہے یا ناجائز ۔ ظاہر ہے ، آپ بھی اس کو ناجائز کہیں گے کیونکہ خیر قرون کے خلاف ہیں نیز ان میں اپنی طرف سے ایک شئے کا اپنے ذمہ لازم کرنا ہے جو آیت میں ذکر نہیں کیونکہ آیت میں تو مطلق فرمایا ہے کہ علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو ، کوئی خاص صورت معین نہیں کی تو ایک صورت کا معین کر لینا کتاب اللہ پر زیادتی ہوئی اور کتاب اللہ پر زیادتی حنفیہ کے نزدیک حدیث (خبر واحد) سے بھی جائز نہیں ، چہ جائیکہ اپنی رائے سے جائز ہو پس جب یہ دو صورتیں جائز نہ ہوئیں تو پہلی کس طرح جائز ہوگی ، وہ بھی تو خیر قرون کے خلاف ہے ۔ اور کتاب اللہ پر اس میں زیادتی ہے پس آیۂ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر پر عمل کی صورت صرف ایک ہی رہ گئی کہ جس سے اتفاق پڑے پوچھ لے ایک کو معین نہ کرے جیسے سلف کا دستور تھا ۔

اس کے علاوہ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں امام نماز کا سلام پھیر کر دائیں طرف منہ کر کے بیٹھنا اپنے ذمہ لازم کرے تو یہ نماز میں شیطان کا حصہ ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دفعہ بائیں طرف منہ کر کے بیٹھتے دیکھا ہے ۔ ماخذ بو مشکوٰۃ باب الدعاء فی التشہد ۵۳ اس سے بھی معلوم ہوا کہ اپنی طرف سے شریعت میں کسی صورت کا تعین جائز نہیں بلکہ یہ شیطان کا حصہ ہے ۔

اس تفصیل سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مولانا رشید احمد صاحبؒ جس بات کو بیان کرنا چاہتے ہیں وہ ان کے لیے مفید تو کیا ہوگی اُلٹے ان کی تردید ہوتی ہے ۔ ابھی کچھ اور سنیئے :۔

لَا تَفَرَّقُوا سے وجوب تقلید پر استدلال کی حقیقت :۔

تقلید شخصی کے وجوب کی دلیل یہ دی ہے کہ اگر تقلید شخصی نہ ہو تو فتنہ فساد پیدا ہوتا ہے اور آپس میں اختلاف افتراق بڑھتا ہے اور قرآن مجید اس سے منع کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہے ۔ لَا تَفَرَّقُوا یعنی

افتراق اختلاف نکرو اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ نہیں بنایا اور اسی بناء پر معاذ رضی اللہ عنہ کو نماز میں لمبی سورتیں پڑھنے سے ڈانٹا"

ناظرین خیال فرمائیں کہ اختلاف، افتراق چار مذہب بنانے میں ہے یا خیر قرون کی روش اختیار کرنے میں ہے ان چار مذاہب کے اختلافات اور جھگڑے کسی پر مخفی نہیں جن کا نتیجہ یہاں تک پہنچا کہ بیت اللہ کے بھی چار حصے کر کے چار مصلے قائم کر لیے اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز ترک کر دی۔ خود مولانا رشید احمد صاحب لکھتے ہیں:۔

"البتہ چار مصلے جو مکہ معظمہ میں مقرر کئے ہیں لاریب یہ امر زبون (بُرا) ہے کہ تکرار جماعت و افتراق اس سے لازم آگیا کہ ایک جماعت ہونے میں دوسرے مذہب کی جماعت بیٹھی رہتی اور شریک نہیں ہوتی اور مرتکب حرمت ہوتے ہیں" (سبیل الرشاد ص۲۳)

پھر تعجب ہے کہ یہ لوگ بریلوی جماعت سے کیوں افتراق۔ اختلاف کرتے ہیں؟ اگر کہیں کہ وہ بدعات کا ارتکاب کرتے ہیں اس لیے ان سے افتراق۔ اختلاف ضروری تو کیا تقلید شخصی بدعت اور خیر قرون کی روش کے خلاف نہیں؟ اصل میں مولانا رشید احمد صاحبؒ نے شروع آیت پر غور نہیں کیا اس میں تقلید شخصی کی تردید ہے، شروع آیت یہ ہے: واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا یعنی سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑو اور فرقہ فرقہ نہ ہو" دیکھئے اس آیت میں قرآن وحدیث کو تھامے رہنے کا حکم ہے اور ایک ایک امام کے پیچھے لگ کر فرقہ فرقہ بننے سے نہی ہے پس اس آیت میں تقلید شخصی کی تردید ہوئی، نہ کہ تائید خدا جانے مولانا رشید احمد صاحبؒ آنی ٹھوکریں کیوں کھا رہے ہیں۔

افتراق کا باعث تقلید ہے نہ کہ عدمِ تقلید:۔

اس کے علاوہ ہم پوچھتے ہیں کہ تقلید شخصی پہلے تھی یا عدم تقلید شخصی۔ ظاہر ہے کہ عدم تقلید شخصی پہلے تھی کیونکہ

خیر قرون میں تقلید شخصی کا نام و نشان نہ تھا پس اختلاف، افتراق کے مرتکب درحقیقت تقلید شخصی کے عامل ہوئے نہ کہ عدم تقلید شخصی کے عامل۔

واقعۂ معاذ کا اصل مفہوم :۔

پھر معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو افتراق و اختلاف سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ لمبی سورتیں نہ پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ کمزوروں اور حاجت والوں کو تکلیف نہ ہو چنانچہ احادیث میں اس کی تصریح آئی ہے۔ شاید مولانا رشید احمد نے یہ سمجھا کہ کمزوروں اور حاجت والوں کی نماز باجماعت میں عدم شرکت یہ بھی افتراق اختلاف ہے۔ اگر یہ سمجھا ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ کوئی عذر والا کسی کام میں شریک نہ ہو سکے تو یہ افتراق اختلاف نہیں۔ جیسے لنگڑا، نابینا، بیمار وغیرہ جہاد میں شریک نہیں ہو سکتے، عورتوں پر پانچوقتی نماز اور جمعہ جماعت میں شرکت ضروری نہیں تو کیا یہ افتراق اختلاف ہے؟ پس جماعت میں زیادہ لمبی سورتیں پڑھنے کی اجازت نہ دینا اس کی یہ وجہ نہیں کہ اس میں افتراق اختلاف ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ شارع کو یہ پسند نہیں کہ کمزور اور حاجت والے ثواب جماعت سے محروم رہیں۔

حدیث بناء بیت اللہ کا بھی افتراق سے کوئی تعلّق نہیں

اسی طرح بناء بیت اللہ کی حدیث کو بھی افتراق اختلاف سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ بیت اللہ کو گرا کر نہ بنانے کی وجہ تو یہ تھی کہ نئے نئے مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا گھر گراتے ہوئے دیکھ کر یہ خیال کر کے کہ اہل حق اللہ کا گھر گرانے کی جرأت نہیں کر سکتے کہیں اسلام ہی سے نہ پھر جائیں۔ افتراق و اختلاف کو یہاں کیا دخل؟ خدانخواستہ اگر متفقہ طور پر تمام اہل اسلام کے پھر جانے کا خطرہ ہو جیسے قیامت کے قریب کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہیں رہے گا تو اس وقت افتراق اختلاف تو نہیں تو کیا اس حالت

میں بیت اللہ کا گرانا اچھا ہو گا؟ ظاہر ہے کہ اچھا تو کیا زیادہ بُرا ہو گا پس معلوم ہُوا کہ صرف لوگوں کے اسلام سے پھر جانے کا خطرہ بیت اللہ کے نہ گرانے کا باعث تھا نہ کہ اختلاف، افتراق۔

ایک اور ڈبل غلطی :-

پھر یہ عجیب بات ہے کہ مولانا رشید احمد صاحبؒ اِدھر تو تقلید شخصی اور عدم تقلید شخصی دونوں کو آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر کے افراد بنا کر جائز قرار دیتے ہیں اور اُدھر عدم تقلید شخصی کو باعث افتراق، اختلاف بنا کر ناجائز ثابت کرنے کے لیے کفر، اسلام کا اختلاف پیش کر رہے ہیں۔ دو جائز چیزوں کی وجہ سے جو اختلاف ہو اس کو حرام اور واجب کے اختلاف پر قیاس کرنا کس قدر ڈبل غلطی ہے پھر حرام اور واجب بھی کفر اور اسلام ایسے۔ حالانکہ موٹی سے موٹی عقل والا بھی جانتا ہے کہ کفر اور اسلام کا اختلاف انتہائی درجہ کا اختلاف ہے اگر اس سے بچنے کے لیے کوئی مستحب کام ناجائز ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دو جائز چیزوں کی وجہ سے جو اختلاف ہو اس سے بچنے کے لیے بھی مستحب کام ناجائز ہو جائے کیونکہ چھوٹی بات سے بچنا ضروری ہو تو بڑی بات سے بطریق اولیٰ بچنا ضروری ہے برخلاف عکس کے کہ اگر بڑی بات سے بچنا ضروری ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ چھوٹی بات سے بچنا بھی ضروری ہو مثلاً اضطراری حالت میں جان بچانے کے لیے اگر خنزیر کا کھانا ضروری ہو اور اس سے پرہیز کرنا ناجائز ہو تو کیا اس سے لازم آجاتا ہے کہ تندروں کی بیماری کے لیے بھی خنزیر کا کھانا ضروری ہو۔ اسی طرح بدن کی لاغری اور ضعفِ قوۃ باہ کے لیے کتب طب میں خنزیر مجرب لکھا ہے تو اگر کسی اور دوا سے فائدہ نہ ہو تو کیا خنزیر کا استعمال ضروری ہے؟ اور اس سے پرہیز ناجائز ہے؟

خلاصہ یہ کہ مولانا رشید احمد صاحبؒ کی یہ ساری تحریر اغلاط سے مملو ہے اور سراسر اپنی تردید ہے۔ بے سوچے سمجھے لکھنے کے نتائج ایسے ہی ہوتے ہیں اعاذنا اللہ منہ۔

تنبیہ :-

بناء بیت اللہ کی اور معاذ رض کی حدیث کا جو کچھ جواب دیا گیا ہے وہ مولانا رشید احمدؒ کی اس بات کو مدنظر رکھ کر دیا گیا ہے کہ عدم تقلید شخصی اختلاف، افتراق کا باعث ہے ورنہ حقیقت امر یہ ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ باعث اختلاف افتراق دراصل تقلید شخصی ہے کیونکہ اسی سے چار مذہب بنے جن سے بڑا اختلاف پیدا ہوا اور جن سے چار مصلوں کی نوبت پہنچی جو نہایت مذموم شئے ہے۔ نیز خیر قرون میں عدم تقلید شخصی تھی جس سے تقلید شخصی کے عاملوں نے اختلاف افتراق کیا پس اگر بناء بیت اللہ کی اور معاذ کی حدیث کا منشاء بقول مولانا رشید احمد صاحبؒ اختلاف افتراق کو مٹانا ہے تو پھر تقلید شخصی کو ترک کر دینا چاہیئے اور آیہ کریمہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا پر عمل پیرا ہوتے ہوئے سلف کی طرح عدم تقلید شخصی کو اپنا شعار بنانا چاہیئے۔ واللہ الموفق وھو یھدی السبیل وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وآلہ واصحابہ اجمعین۔

ایک اور طریق سے مسئلہ تقلید پر بحث

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی دوسری تقریر

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اپنے پیر مولانا رشید احمد صاحبؒ گنگوہی کو ایک خط لکھا جس کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ میلاد مُروّجہ میں ذِکرِ ولادت کے علاوہ بہت سی تخصیصات اور قیودات ہیں جیسے خاص دنوں میں ہونا۔ مجمع میں ہونا۔ اس کے لیے فرش فروش اور روشنی کا انتظام ہونا۔ ذِکر کے لیے خاص طریق مقرر ہونا اور پھر ایک موقعہ پر پہنچ کر سب مجمع کا کھڑے ہو جانا۔ اس قسم کی تخصیصات اور قیودات کی وجہ سے مولانا اشرف علی صاحبؒ کو کچھ اشتباہ ہو گیا، اس اشتباہ کو دُور کرنے کے لیے مولانا رشید احمد صاحبؒ کو یہ خط لکھا جس کے ضمن میں تقلید کا ذِکر بھی آگیا، یہ خط بہت طویل ہے ہم بقدرِ ضرورت نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد مولانا رشید احمد صاحبؒ کا جواب نقل کریں گے۔

مولانا اشرف علیؒ کے خط کی نقل :-

"اب اس وقت دو امر قابلِ عرض ہیں کہ تقلیدِ مطلق کی آیا مطلقاً ممنوع ہے یا جب کہ اس قید کو مرتبہ مطلق میں سمجھا جاوے یعنی اگر مطلق واجب تھا تو قید کو بھی واجب سمجھا جاوے اور اگر مندوب و موجب قُرب تھا تو قید کو بھی مندوب اور موجب قُرب سمجھا جاوے درصورت اولےٰ تعیینات عادیہ میں شبہ ہو گا اور صورت ثانیہ میں جب مطلق کو عبادت سمجھا اور

قید کو بناء علی مصلحۃ یا عادت سمجھا جاوے تو فی نفسہ اس میں قبح نہ ہوگا۔ ہاں اگر مؤدی بہ فساد عقیدہ عوام ہو تو اس میں قبح بغیرہ ہوگا لیکن اگر اس کا فاعل زبان سے اصلاح عقیدہ عوام باعلان کرتا رہے۔ اُس وقت بھی یہ قبح رہے گا یا نہیں؟ اگر نہ رہے گا فبہا اور اگر رہے گا تو اس صورت میں بعض اعمال میں جو عوام میں شائع ہو رہے ہیں اور ظاہر ان کی عقیدت میں ان کی نسبت غلو و افراط بھی ہے۔ اور خواص کے فعل بلکہ حکم سے اور قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور اس کا وجوب شرعی بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوا اور عوام بلکہ خواص میں اس پر مفاسد بھی مرتب ہو رہے ہیں۔ ایسے اعمال میں شبہ واقع ہوگا۔ مثلاً تقلید شخصی کہ عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اس کو علماً و عملاً اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارک تقلید سے گو کہ اس کے تمام عقاید موافق کتاب و سنت کے ہوں اس قدر بغض و نفرت رکھتے ہیں کہ تارکین صلوٰۃ فساق و فجار سے بھی نہیں رکھتے اور خواص کا عمل و فتویٰ وجوب اس کا مؤید ہے گو خود ان کو علی سبیل الغرض اتنا غلو نہ ہو اور دلیل ثبوت اس کی یہ مشہور ہے کہ ترک تقلید سے مخاصمت و منازعت ہوتی ہے جو کہ ممنوع ہے سو مؤدی الی الممنوع ممنوع ہوگا پس اس کی ضد واجب ہوگی مگر دیکھا جاتا ہے کہ بوجہ اختلاف آراء علماء و کثرت روایات مذہب واحد معین کے مقلدین میں بھی عوام کیا خواص میں مخاصمت و منازعت واقع ہے اور غیر مقلدین میں بھی اتفاق و اتحاد پایا جاتا ہے۔ غرض اتفاق و اختلاف دونوں جگہ ہے اور مفاسد کا ترتب یہ کہ اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے ان کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے

دل میں اُس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرتِ مذہب کے لیے تاویل ضروری سمجھتے ہیں دل یہ نہیں مانتا کہ قولِ مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کریں بعض سنن مختلف فیہا مثلاً آمین بالجہر وغیرہ پر حرب وضرب کی نوبت آجاتی ہے اور قرونِ ثلاثہ میں اس کا شیوع بھی نہ ہوا تھا بلکہ کیف ما اتفق جس سے چاہا مسئلہ دریافت کر لیا اگر اس امر پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مذاہبِ اربعہ کو چھوڑ کر مذہب خامس مستحدث کرنا جائز نہیں یعنی جو مسئلہ چاروں مذہبوں کے خلاف ہو اس پر عمل جائز نہیں کہ حق دائر و منحصر ان چار میں ہے مگر اس پر بھی کوئی دلیل نہیں کیونکہ اہلِ ظاہر ہر زمانہ میں رہے اور یہ بھی نہیں کہ سب اہل ہوٰی ہوں وہ اس اتفاق سے علیحدہ رہے۔ دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جاوے مگر تقلید شخصی پر تو کبھی اجماع بھی نہ ہوا۔ البتہ ایک واقع میں تلفیق کرنے کو منع لکھا ہے تاکہ اجماع مرکب کے خلاف نہ ہو جاوے۔ باوجود ان سب امور کے تقلیدِ شخصی کا استحسان دوجوب مشہور و معمول ہے سو اس کا قبح کس طرح مرفوع ہوگا۔" انتہی عبارتہ (تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۱۳۰ و ۱۳۱)

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا جواب :-

"از بندہ رشید احمد عفی عنہ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمایند خط آپ کا آیا بظاہر آپ نے جملہ مقدمات محررہ بندہ کو تسلیم کر لیا اور قبول فرما لیا البتہ تقلید شخصی کی نسبت کچھ تردد آپ کو باقی ہے لہٰذا اس کا جواب لکھواتا ہوں۔ مقید بامر مباح میں اگر مباح حد سے نہ گذرے یا عوام کو خرابی میں نہ ڈالے تو جائز ہے اور اگر ان دونوں سے کوئی امر واقع ہو جاوے تو ناجائز ہوگا، اس مقدمہ کو خود تسلیم کرتے ہو۔ اب تقلید کو سنو۔ کہ مطلق تقلید مامور بہ ہے لقولہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اور بوجہ دیگر نصوص کر

بعد ایک مدت کے تقلید غیر شخصی کے سبب مفاسد پیدا ہوئے کہ آدمی بہ سبب اس کے لاأبالی اپنے دین سے ہو جاتا ہے اور اپنی ہواے نفسانی کا اتباع، اس میں گویا لازم ہے کہ طعن علماء مجتہدین و صحابہ کرام اس کا ثمرہ ہے ان امور کے سبب باہم نزاع بھی پیدا ہوتا ہے اگر تم بغور دیکھو گے تو یہ سب امور تقلید غیر شخصی کے ثمرات نظر آئیں گے اور اس پر ان کا مرتکب ہونا آپ پر واضح ہو جائے گا لہٰذا تقلید غیر شخصی اس بدنظمی کے سبب گویا ممنوع من اللہ ہو گئی پس ایسی حالت میں تقلید شخصی گویا فرض ہو گئی اس واسطے کہ تقلید ماموربہ کی دو نوع ہیں. شخصی و غیر شخصی اور تقلید بمنزلہ جنس ہے اور مطلق کا وجود خارج میں بدوں اپنے کسی فرد کے محال ہے پس جب غیر شخصی حرام ہوئی بوجہ لزوم مفاسد تو اب شخصی معین ماموربہ ہو گئی اور جو چیز کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے فرض ہو اگر اس میں کچھ مفاسد پیدا ہوں اور اس کا حصول بدوں اسی ایک فرد کے ناممکن ہو تو وہ فرد حرام نہ ہو گا بلکہ ازالہ ان مفاسد کا اس سے واجب ہو گا اور اگر کسی مامور کی ایک نوع میں نقصان ہو اور دوسری نوع اس نقصان سے سالم ہو تو وہی فرد خاصۃً ماموربہ بن جاتا ہے اور اس کے عوارض میں اگر کوئی نقصان ہو تو اس نقصان کو ترک کرنا واجب ہو گا نہ اس فرد کا۔ یہ حال وجوب تقلید شخصی کا ہے اسی واسطے تقلید غیر شخصی کو فقہاء نے کتابوں میں منع لکھا ہے۔ مگر جو عالم غیر شخصی کے سبب مبتلا ان مفاسد مذکورہ کا نہ ہو اور نہ اس کے سبب سے عوام میں ہیجان ہو اس کی تقلید غیر شخصی اب بھی جائز ہو گی۔ مگر اتنا دیکھنا چاہیئے کہ تقلید شخصی و غیر شخصی دو نوع ہیں کہ شخصیت و غیر شخصیت دونوں فصل ہیں جنس تقلید کی کہ تقلید کا وجود بغیر ان فصول کے محال ہے کیونکہ یہ فصول ذاتیات میں داخل ہیں پس اس کا حال قیود مجلس میلاد سے جدا ہے۔ بادی النظر میں یہ دونوں یکساں معلوم ہوتے ہیں ورنہ اگر غور کیا جائے تو واضح ہے کہ ذکر ولادت جدا شئے ہے اور فرش فروش، روشنی وغیرہ

قیود مجوزہ کوئی فصل ذکر کی نہیں بلکہ امور منضمہ ہیں کہ بدوں ان کے ذکر ولادت حاصل ہو سکتا ہے سو ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں۔ مبہذا اوپر کے کلیہ سے مباح منضم کا حال معلوم ہو چکا کہ جب تک اپنی حد پر ہوگا جائز اور جب اپنی حد سے خارج ہوا تو ناجائز، اور امور مرکبہ میں اگر کوئی ایک جز بھی ناجائز ہو جاوے تو مجموعہ پر حکم عدم جواز کا ہو جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مرکب حلال و حرام سے حرام ہوتا ہے۔ یہ کلیہ فقہ کا ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اس تقریر سے آپ کی اس طویل تقریر کا جواب حاصل ہو گیا ہوگا جو آپ نے دربارۂ تقلید لکھی ہے۔ لہٰذا زیادہ بسط کی حاجت نہیں ہے کیونکہ تم خود فہیم ہو۔" انتہی کلامہ (تذکرۃ الرشید حصہ اول مطبوعہ بلالی سٹیم ساڈھورہ صفحہ ۱۳۲، ۱۳۳)

مولانا رشید احمد کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آیۂ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون میں مطلق تقلید کا حکم ہے اور اس کی دو نوع ہیں شخصی اور غیر شخصی۔ غیر شخصی اگرچہ کچھ مدت تک جاری رہی مگر بعد ایک مدت کے اس میں مفاسد پیدا ہو گئے اس لیے یہ ممنوع ہو گئی اور تقلید شخصی واجب ہو گئی کیونکہ مطلق تقلید کے ادا کرنے کی یہی ایک صورت باقی رہ گئی ہے۔ اور اس میں بھی کچھ مفاسد پیدا ہوں تو ان مفاسد کو دور کرنا چاہیئے نہ کہ تقلید شخصی کو حرام کہا جائے۔

مفاسد تقلیدِ شخصی میں ہیں نہ کہ عدمِ تقلید میں:۔

ناظرین خیال فرما دیں کہ اس جواب میں مولانا رشید احمد صاحب نے کیسے آنسو پونچھے ہیں اتنا خیال نہیں کیا کہ جب تقلید غیر شخصی مفاسد کی وجہ سے ممنوع ہو گئی تو تقلید شخصی مفاسد کی وجہ سے کیوں نہ ممنوع ہو گی اور جیسے تقلید شخصی سے پیدا شدہ مفاسد دور ہو سکتے ہیں تو تقلید غیر شخصی سے پیدا شدہ مفاسد کیوں دور نہیں ہو سکتے؟ اگر یہ خیال ہو کہ تقلید غیر شخصی میں مفاسد زیادہ ہیں تو یہ بھی بالکل خلاف واقع ہے چنانچہ ہم

نے تعریف اہلحدیث حصہ دوم میں صفحہ ۸۲ سے صفحہ ۱۴۵ تک اس کی کافی تفصیل کی ہے اور مولانا اشرف علی صاحبؒ کا مذکورہ بالا خط بھی اس کا شاہد عدل ہے بلکہ تقلید غیر شخصی میں قطعاً مفاسد نہیں کیونکہ خیر قرون کی روش ہے اور جو مفاسد مولانا رشید احمد نے ذکر کئے ہیں وہ درحقیقت خیر قرون کی روش کی مخالفت سے پیدا ہوتے ہیں، خواہ اس طرح سے مخالفت کی ہو کہ تقلید شخصی شروع کردی ہو یا اس طرح سے مخالفت کی ہو کہ قرآن و حدیث کا مطلب سلف کے خلاف سمجھا ہو۔ یا اس طرح سے مخالفت کی ہو کہ اپنی پیدائش، وفات، بیاہ، شادی وغیرہ میں افراط و تفریط سے کام لیا ہو۔ بہر صورت سب مفاسد کا منبع مخالفت سلف ہے۔ موافقت سلف اگر مفاسد کا منبع ہو تو ان کو خیر قرون کہنا ہی صحیح نہیں کیونکہ خیر قرون کے معنی ہی یہ ہیں کہ ان کی روش سب روشوں سے بہتر ہے۔

تقلید اور میلادِ مروجہ میں کوئی فرق نہیں:۔

پھر اخیر میں مولانا رشید احمد نے میلاد مروجہ میں اور تقلید میں جو فرق بتلایا ہے کہ ذکر ولادت ان قیود کے بغیر ہو سکتا ہے اور تقلید کا وجود بدوں ان فصول (شخصیت اور غیر شخصیت) کے محال ہے۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ خیر قرون میں (حسب زعم ان کے) تقلید تھی اور شخصیت نہ تھی اور مقلدین میں تقلید ہے مگر غیر شخصیت نہیں پس دونوں کے بغیر تقلید کا وجود پایا گیا۔

اگر کہا جائے کہ دونوں میں سے ایک کا ہونا تو ضروری ہے یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ تقلید کا وجود ہو اور وہاں نہ شخصیت ہو نہ غیر شخصیت، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے شخصیت کے ساتھ غیر شخصیت کو لیا ہے اسی طرح میلاد میں قیود کے ساتھ غیر قیود کو لیا جائے تو تقلید میں اور میلاد میں کچھ فرق نہیں رہے گا یعنی جیسے تقلید میں شخصیت اور غیر شخصیت سے ایک کا ہونا ضروری ہے اسی طرح ذکر ولادت میں قیود اور غیر قیود سے ایک کا ہونا ضروری ہے پس جیسے شخصیت غیر شخصیت فصل ہیں اسی طرح قیود غیر قیود بھی فصل

ہوں گے۔

مذکورہ نکتوں کی محققانہ تفصیل :۔

یہ جواب تو مولانا رشید احمد کی روش کے موافق تھا، اب اصل تحقیق سنئے :۔

مولانا رشید احمد گنگوہی نے یہاں ڈبل غلطی کی ہے اور تقلید کی خاصیت ہی ایسی ہے کہ اس کے مرتکب کو سیدھی بات نہیں سوجھتی کیونکہ تقلید خود ٹیڑھا راستہ ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ شخصیت کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ جب مسئلہ پوچھنے کی ضرورت ہو تو کسی شخص سے پوچھے غیر شخص سے نہ پوچھے اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ شخصیت محل نزاع نہیں اور نہ ہو سکتی ہے کیونکہ دنیا میں جو ہے شخص ہی ہے نہ کہ غیر شخص تو غیر شخص سے پوچھنے کی کوئی صورت نہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ پوچھنے کے لیے ایک شخص کو معین کرے یعنی دل میں اس بات کا التزام کرے کہ ہر مسئلہ فلاں شخص سے پوچھوں گا یہ شخصیت محل نزاع ہو سکتی ہے اور یہ کیونکہ اس کے مقابلہ میں غیر شخصیت ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اس قسم کا التزام نہ کرے خواہ ایک سے پوچھنے کا اتفاق ہو یا کئی ایک سے اگر کئی ایک سے اتفاق ہو تو اس کا غیر شخصیت ہونا ظاہر ہے اگر ایک سے اتفاق ہو تو اس کے غیر شخصیت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے التزام نہیں کیا مثلاً یہ ایک جگہ رہتا ہے اور وہاں ایک ہی عالم ہے تو اس سے ہمیشہ مسئلہ پوچھ کر عمل کر لیتا ہے مگر دل میں یہ التزام نہیں کہ اگر کوئی دوسرا عالم یہاں آجائے یا مجھے دوسری جگہ جانے کا اتفاق ہو تو پھر بھی اسی کا مسئلہ مانوں گا تو یہ صورت غیر شخصیت ہی ہوگی کیونکہ اس نے شخص معین کا التزام نہیں کیا بلکہ اتفاق ایسا ہو گیا کہ یہ ایک ہی سے پوچھتا رہا۔

جب شخصیت کے دونوں معنی معلوم ہو چکے اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ دوسرا محل نزاع ہے نہ کہ پہلا، تو اب بتلایئے کہ اس التزام کو مسئلہ پوچھنے میں کیا دخل ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی دخل نہیں جیسے میلاد مروج میں ذکر ولادت کے ساتھ قیود زائد لگے ہوئے ہیں جن کو مولانا رشید احمد صاحب نے امور منضمہ کہا ہے اسی طرح کسی سے مسئلہ پوچھنے کے ساتھ اس قسم کا التزام ایک قید زائد یا امر منضم ہے۔ بس کوئی وجہ نہیں کہ میلاد مروج

کو تو بدعت کہا جائے اور تقلید شخصی متنازعہ فیہ کو بدعت نہ کہا جائے۔

منطقی اصطلاحات میں غلطی :-

مولانا رشید احمد نے اس جگہ منطقی اصطلاحات میں بڑی ڈبل غلطی کی ہے خدا جانے مہارت نہ تھی یا تقلید کے اثر سے ایسا ہؤا۔ دیکھئے شخصیت کے معنی میں دھوکہ کھا کر اس کو فصل قرار دیا تو الگ رہا، اس کے مقابلہ میں غیر شخصیت کو بھی فصل قرار دے رہے ہیں حالانکہ غیر شخصیت مفہوم عدمی ہے جو کسی صورت وجودی شئے (تقلید) کا فصل[1] بننے کے قابل نہیں۔

منطقی اِصطلاح کی رُو سے

آیت فاسئلوا اھل الذکر سے استدلال ہر لحاظ سے غلط ہے

پھر اس سے بڑھ کر دیکھئے یہ کس قدر غلطی کی ہے کہ فرماتے ہیں مطلق تقلید مامور بہ ہے لقولہ تعالےٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اور اس کی دو نوع شخصی اور غیر شخصی قرار دی ہیں اور یہ خیال نہیں کیا کہ جس مطلق تقلید کا امر اس آیت میں ہے وہ غیر شخصی ہے کیونکہ التزام کی قید نہیں اور قرآن و حدیث میں جو قید ہو اس قید کا اضافہ کرنا قرآن و حدیث کی مخالفت ہے تو پھر شخصی اس کا نوع کیسے بنی۔

---

[1] اگر کہا جائے کہ مولانا گنگوہی کے کلام میں شخصیت غیر شخصیت دونوں سے مراد التزام ہے، صرف فرق اتنا ہے کہ شخصیت میں اس بات کا التزام ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص سے پوچھوں گا اور غیر شخصیت میں یہ التزام ہوتا ہے کہ کوئی مسئلہ کسی سے پوچھوں گا، کوئی مسئلہ کسی سے پس جب غیر شخصیت سے مراد بھی التزام ہوا تو بوجہ وجودی ہونے کے اس کا فصل بننا صحیح ہو گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا رشید احمد صاحب کے کلام (بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۶ پر)

اُصولِ فقہ کی رُو سے :-

اگر اس کو اصولی طور پر سمجھنا ہو تو یوں سمجھئے کہ نورالانوار وغیرہ میں لکھا ہے کہ خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی درست نہیں جیسے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فاقرؤا ما تیسر من القراٰن اس آیت میں مطلق قرأت کا حکم ہے تو حدیث کے ساتھ اگر فاتحہ کی تعیین کی جائے تو یہ کتاب اللہ پر زیادتی ہے جو نسخ ہے پس اسی طرح تقلید شخصی کو فاسئلوا اھل الذکر کے خلاف سمجھنا چاہیئے نہ کہ ماموربہ میں داخل۔ بلکہ زیادہ خلاف سمجھنا چاہیئے کیونکہ تقلید کی بابت تو کوئی حدیث بھی نہیں آئی۔

علم بلاغت کی رُو سے :-

اگر اور زیادہ وضاحت کی ضرورت ہو تو سنئے، عام بولکر خاص من حیث الخاص کا ارادہ کرنا مجاز

) یں غیر شخصیت کا یہ معنی صحیح نہیں کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ "شخصیت غیر شخصیت دونوں فصل ہیں جنس تقلید کی کہ تقلید کا وجود بغیر ان فصول کے محال ہے" اگر شخصیت غیر شخصیت دونوں سے مراد التزام ہو تو ان دونوں کے بغیر تقلید پائی جاتی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ التزام نہ کرے بلکہ جس سے اتفاق پڑے پوچھ لے خواہ ایک سے اتفاق پڑے یا کئی ایک سے۔ چنانچہ ابھی تفصیل ہوئی ہے پس شخصیت غیر شخصیت فصول نہ رہے کہ بغیر ان کے تقلید کا وجود محال ہو۔ نیز مولوی رشید احمد صاحب نے کہا ہے کہ "مطلق تقلید ماموربہ ہے لقولہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اور بوجہ دیگر نصوص۔ مگر بعد ایک مدت کے تقلید غیر شخصی کے سبب مفاسد پیدا ہونے کہ انسان بہ سبب اس کے لاُابالی اپنے دین سے ہو جاتا ہے۔" یہ عبارت بھی صاف بتلا رہی (بقیہ حاشیہ صفحہ" پر)

ہے کیونکہ اس حیثیت سے یہ خاص لفظ کا موضوع نہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ لفظ کو مجازی معنی پر عمل کرنا اس لفظ کی مخالفت ہے اسی لیے مجازی معنی لینے کے لیے کوئی قرینہ قائم کرنا پڑتا ہے جب خاص کر حالت ہے تو بتلائیے کہ تقلید شخصی (جس کی حقیقت میلاد مروج کی طرح امر منضم سے پیدا ہوئی ہے) اس آیت میں نوع ماموربہ کس طرح بنی ؟

جو کہنا ہے سو کہہ لیکن سمجھ کر مرد نمانی ! ۔ جو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اسی لیے تعریف اہلحدیث حصہ دوم میں ہم نے بڑے زور شور سے لکھا ہے کہ تقلید شخصی قرآن و حدیث کے بھی خلاف ہے اور اجماع صحابہ بلکہ خیر قرون کی روش کے بھی خلاف ہے اور آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر وغیرہ میں جس سوال کا ذکر ہے اول تو وہ تقلید ہی نہیں بلکہ قرآن حدیث کی اتباع ہے اگر کوئی زور از زوری اس کا نام تقلید رکھ لے تو اس کی خوشی ، وہ خواہ مجتہد کو بھی مقلد کہہ دے کیونکہ مجتہد بھی قرآن و حدیث کی اتباع کرتا ہے ۔

اصل نزاع چار اماموں کی تقلید ہے ، اور آیتِ مذکورہ میں اس سے متعلق کچھ نہیں

ایک بات یہاں اور سنیئے ! جس تقلید کی نسبت اہل نزاع ہے وہ چار اماموں کی تقلید ہے

ہے کہ غیر شخصیت سے مراد التزام نہیں کیونکہ جو غیر شخصیت پہلے زمانہ میں تھی (جس سے بعد ایک مدت کے مولانا رشید احمدؒ کے نزدیک مفاسد پیدا ہونے شروع ہو گئے) وہ التزام نہ تھی بلکہ وہ یہ تھی کہ جس سے اتفاق پڑا مسئلہ پوچھ لیتے خصوصاً خیر قرون کے زمانہ میں بس غیر شخصیت سے مراد التزام ہو تو مولانا رشید احمد صاحب کے کلام میں صحیح نہیں پھر غیر شخصیت بمعنی التزام کو شخصیت کا مقابل قرار دینا فضول ہے کیونکہ جماعت اہلحدیث اس غیر شخصیت کی قائل نہیں جنکی طرف مولانا رشید احمد صاحب اشارہ کر رہے ہیں کہ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۹ پر)

جس کی صورت یہ ہے کہ کسی عالم سے مسئلہ پوچھنے کے وقت یوں کہا جائے کہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ صاحبؒ کا یا فلاں امام کا کیا ارشاد ہے ؟ اور آیہ کریمہ فاسئلوا اهل الذکر میں جس سوال کا ذکر ہے اس کی صورت یہ ہے کہ علم نہ ہو تو کسی علم والے کو کہے کہ اس مسئلہ میں خدا و رسول کا کیا ارشاد ہے نہ یہ کہ معصوم کی جگہ غیر معصوم یعنی خدا و رسول کی جگہ امام ابو حنیفہ صاحبؒ کو یا کسی اور امام کو دیکر یوں کہے کہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا یا فلاں امام کا کیا ارشاد ہے۔ اب بتلائیے کہ اس آیت کو تقلید متنازعہ فیہ سے کیا تعلق ؟ اگر امام صاحب زندہ ہوتے تو اُن سے یونہی سوال ہوتا کہ اس مسئلہ میں خدا و رسول کا کیا ارشاد ہے۔ اور اهل الذکر میں ذکر سے مراد کتاب اللہ

"وہ اپنے دین سے لاابالی ہو جاتے ہیں:

اس کے علاوہ اس صورت میں جتنے اعتراضات تخصیص پر ہیں وہ سب غیر تخصیص پر بھی ہونگے مثلاً میلاد مروج کی طرح اس میں قید زائد (التزام) کا ہونا اور بوجہ اسکے اسکا فصل نہ بننا اور اسکا نوع مامور بہ نہ رہنا اور خیر قرون بلکہ اجماع کے خلاف ہونا بلکہ آیہ کریمہ فاسئلوا اهل الذکر اور حدیث انما شفاء العی السوال کے بھی خلاف ہونا اور عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث جو صفحہ میں گذر چکی ہے کہ امام نماز سے سلام پھیر کر ایک طرف بیٹھنے کا التزام نہ کرے اسکے بھی خلاف ہونا اور بوجہ بدعت ہونے کے بہت سے مفاسد کا اس پر مرتب ہونا چنانچہ تحریک اہلحدیث حصہ دوم میں ـــــــــــ ہم نے اس کی بہت تفصیل کی ہے ۱۲۰

ؔؔعلہ اگر کہا جائے کہ امام ابو حنیفہ وغیرہ کا قول پوچھنے سے مقصود خدا و رسول ہی کا حکم ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہت دفعہ امام صاحب کی وجہ سے قرآن و حدیث کا خلاف ہو جاتا ہے چنانچہ صفحہ ۲۵، ۲۶ میں اسکی تفصیل آتی ہے انشاءاللہ۔ تو پھر ان کا ہر قول خدا و رسول کا حکم کس طرح ہوا ! پھر جب مقصود خدا و رسول کا حکم ہے تو خدا و رسول ہی کا نام کیوں نہ لے انکا نام پکڑنے سے کیا فائدہ ! کہ مقصود کچھ اور لفظ کچھ۔ نیز سارے دین کا دار و مدار ایک شخص پر رکھکر اسی کے مذہب کا التزام کر کے ہر مسئلہ میں اسی کا قول پوچھنا اس کا کیا ثبوت ؟ بلکہ یہ خیر قرون کی روش کے خلاف ہے۔ پس یہ آیہ کریمہ فاسئلوا اهل الذکر پر عمل نہیں بلکہ اس کی مخالفت ہے ۱۲۰

ہے ۔ یہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ خدا اور رسول ہی کا ارشاد پوچھے بلکہ ان کنتم لا تعلمون کے بعد بالبینات والزبر ہے وہ بھی اسی طرف اشارہ ہے اور مسلمان کی شان بھی یہی ہے کہ خدا ورسول کا ارشاد پوچھے نہ یہ کہ کسی امام کے مذہب کا التزام کر کے یوں سوال کرے کہ فلاں امام کا کیا ارشاد ہے۔ پھر خدا جانے اس آیت کو محل تنازع فیہ میں کیوں پیش کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں نہ اس التزام کا کوئی ذکر ہے نہ اس طرح سوال کرنے کا کوئی اشارہ ہے۔ ان باتوں پر اس آیت سے استدلال کرنا الفاظ آیت سے نہایت بعید ہے۔ تعجب ہے کہ اصول فقہ میں تو خبر واحد سے مطلق کو مقید کرنے کی اجازت نہیں دی۔ یہاں اپنی طرف سے ہی سب تصرفات ہو رہے ہیں ؎

جہاں ہمارا ذوالجلال ۔ گدھا، خچر سبھی حلال

پھر صفحہ ۴۳ میں گذر چکا ہے کہ آیۂ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر میں پانچ صورتیں ہیں، چار باطل ہیں صرف پانچویں صحیح ہے کہ جس عالم سے اتفاق پڑے مسئلہ دریافت کر کے عمل کر لے۔ پس یہ آیت تقلیدِ شخصی کی تردید ہوئی نہ کہ تائید۔

واللہ! ہمیں رہ رہ کر تعجب آتا ہے کہ ایک کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو طرح سے کرتے ہیں جیسے نماز سے سلام پھیر کر کبھی دائیں طرف منہ کر کے بیٹھنا کبھی بائیں طرف اس میں ایک جانب کا التزام تو شیطانی کام ہو۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ سے صفحہ ۴۲ میں گذر چکا ہے۔ اور ایک دوسرا کام جس پر عمل ہونا تو کجا قرآن و حدیث کے بھی خلاف ہے اور اجماع صحابہ۔ بلکہ خیر قرون کی روش کے بھی خلاف ہے۔ بلکہ اصول فقہ کے بھی خلاف ہے۔ اس کو آج رحمانی کام کہا جاتا ہے۔ بلکہ رحمانی سے بھی اعلیٰ درجے تک پہنچایا جاتا ہے۔ یعنی فرض کہا جاتا ہے ؎ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ناظرین! خیال فرمائیں کہ افتاء کے گدی نشینوں کی بے خبری آج کہاں تک نوبت پہنچا رہی ہے خیر اور علوم خاص کر قرآن و حدیث سے اُن کی بے خبری تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ تقلید کی اندھیری کوٹھڑی میں پڑے ہیں۔ مگر جب ہم اُن کو اصول فقہ میں، جو اُن کے تقلیدی مذہب کی روحِ رواں ہے،

کمزور پاتے ہیں۔ تو بے ساختہ زبان سے نکلتا ہے۔ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم ۔ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ایک اور طریق سے مسئلہ تقلید پر بحث

جب کوئی شخص کسی بات کا دلدادہ ہو جاتا ہے تو خواہ وہ ناحق ہی ہو ہر پہلو سے اس کا پاس کرتا ہے اس کے خلاف آواز اٹھانا اس کے لیے ایک دشوار گذار گھاٹی ہے۔ حقیقت خواہ کتنی ہی واضح ہو مگر اس کے لیے اندھیری رات سے کم نہیں۔ دیکھیئے، مسئلہ تقلید میں جو کچھ متنازع فیہ ہے وہ صرف یہ ہے کہ نبی کی طرح ایک امتی پر سارے دین کا مدار رکھنا کیا شریعت میں اس کا ثبوت ہے؟ ہمارے بھائی اول تو اس طرف آتے ہی نہیں اگر آتے ہیں تو اندر داخل نہیں ہوتے یعنی حقیقت سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ بعض دفعہ نہ سمجھنے کی وجہ سے اپنی ہی تردید کر جاتے ہیں اور بہت دفعہ خلاف واقعات کے مرتکب ہوتے ہیں جس کی کچھ تفصیل اوپر ہو چکی ہے۔ کچھ اور سنیئے:۔

حنفیہ کے بعض رسائل میں لکھا ہے (اور یہ بات صحیح بھی ہے) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ احکام پر عمل ہو تب ایمان درست ہوتا ہے۔

اس بناء پر مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی نے مولانا مرتضیٰ حسنؒ ناظم تعلیمات مدرسہ دیوبند کو خط لکھا جس میں دو سوال کئے۔

(۱) مذہب معین کا پابند ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ احکام پر عمل ناممکن ہے۔

(۲) حنفیت اور اتباعِ سنت میں منافات ہے۔

ان کا جواب مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے تو نہیں دیا۔ ان کی بجائے مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے دیا، آپ لکھتے ہیں۔

اثباتِ تقلید پر مولانا محمد شفیعؒ کی تقریر

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عرصہ گذرا جناب کا والا نامہ بنام حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب صادر ہوا تھا جو مولانا موصوف نے بوجہ علالت جواب کے لیے احقر کے سپرد فرما دیا تھا لیکن میں خود بھی اس وقت سے اپنی اور گھر والوں کی علالت اور مختلف سفروں کی پریشانی میں رہا اور جواب نہ لکھ سکا۔ اس وقت کسی قدر افاقہ ہوا تو جواب لکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مفید اور تسلی بخش فرما دے اور طلب حق میں آپ کی سعی کو مشکور فرما دے۔ جناب کی اس تحریر کا خلاصہ دو سوالوں پر منحصر ہے۔

(۱) کسی مذہب معین کا پابند ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ احکام پر عمل ناممکن ہے پس اگر حسب تصریحات رسالہ مذکورہ ایمان اسی پر موقوف ہے کہ جملہ احکام پر عمل ہو تو مذہب معین کے مقلد کا ایمان کیسے درست ہوگا؟

(۲) حنفیت اور اتباعِ سنت میں منافات ہے (اور یہ سوال حقیقت میں پہلے ہی سوال کا نتیجہ ہے)

جواباً گزارش ہے کہ جن احادیث کا احادیث نبویہ ہونا سند صحیح یا آثار سے ثابت ہو گیا ہو ان کی بھی دو قسم ہیں۔ ایک وہ کہ جن میں باہمی احادیث کا کوئی تعارض نہیں بلکہ جملہ احادیث نبویہ حکم واحد پر دلالت کرتی ہیں جیسے صبح کی نماز کا دو رکعت اور ظہر کا چار رکعت ہونا۔ صبح میں قرأت کا جہراً اور ظہر میں سراً ہونا وغیرہ۔ دوسرے وہ کہ ان میں خود احادیث نبویہ باہم متعارض و متخالف نظر آتی ہیں مثلاً بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں رکوع کے وقت رفع یدین کیا اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ نہیں کیا۔ بعض احادیث میں ہے کہ آمین کو جہراً کہا اور بعض میں سراً منقول ہے۔ بعض روایات میں قرأت فاتحہ خلف الامام کی اجازت معلوم ہوتی ہے اور بعض میں ممانعت۔ پہلی قسم کے جملہ احکام پر بلا استثناء عمل ہو سکتا ہے خواہ کوئی شخص خود مجتہد ہو یا کسی کا مقلد ہو۔ مذہب معین رکھتا ہو یا غیر معین، بہرحال ان سب احکام نبویہ پر عمل کرنا اس کے لیے

ممکن بلکہ واجب اور ضروری ہے۔ دوسری قسم کے احکام میں چونکہ احکام نبویہ اور احادیث رسولؐ ہی میں باہم متضاد روایتیں موجود ہیں اس لیے ان سب پر عمل کرنا کسی صورت سے ممکن نہیں خواہ کوئی مقلد ہو یا غیر مقلد، مذہب معین رکھے یا غیر معین۔ کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص ایک ہی نماز میں ایک ہی وقت میں آمین جہراً بھی کہے اور سراً بھی۔ قرأت فاتحہ بھی کرے اور اس کا ترک بھی۔ جیسے ایک حنفی ان روایات متضادہ پر عمل کرنے سے قاصر ہے ایسے ہی ایک غیر مقلد یا مجتہد کو بھی میں نہیں سمجھ سکتا کہ وہ سب پر عمل کر سکے گا۔ لہٰذا مذہب معین اور غیر معین یا مقلد اور غیر مقلد کا سوال بھی اس جگہ بالکل بے معنی ہے کیونکہ کسی صورت میں بھی ان دونوں میں فرق نہیں پہلی صورت میں جملہ احکام پر عمل کر سکتے ہیں تو دونوں کر سکتے ہیں۔ دوسری صورت میں نہیں کر سکتے تو دونوں نہیں کر سکتے۔ پھر صرف تقلید شخصی کی صورت پر اس کا الزام لگانا بالکل بداہت کے خلاف ہے۔

ہاں ابھی تک یہ سوال باقی ہے کہ پھر جملہ احکام نبویہ پر عمل واجب نہ ہوا لیکن اس کا جواب صرف حنفی یا کسی مذہب معین کے مقلد پر عاید نہیں ہوتا بلکہ غیر مقلد یا مجتہد کے ذمے بھی ضروری ہوتا ہے۔ اب میں کہتا ہوں کہ جملہ احکام پر عمل کرنے کا عرفاً اور عقلاً کسی طرح پر یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ اگرچہ احکام میں روایات متضاد موجود ہوں تب بھی سب پر عمل کر کے اضداد کو جمع کیا جائے۔ بلکہ باتفاق علماء مقلدین و غیر مقلدین اس کا یہی مطلب ہے کہ جب کسی حکم کے بارہ میں روایات متضاد ہوں تو یہ تو یقین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی وقت اور ایک ہی حال کے لیے متضاد حکم نہیں دیئے ہوں گے بلکہ اس وقت اس حال کے لیے ان میں سے کوئی ایک ہی حکم آپ کا حکم ہے۔ دوسری روایت اس وقت اور اس حال کے لیے نہیں ہے اگرچہ کسی اور موقع کے لیے وہ بھی درست ہو، اس لیے لامحالہ ایک پر عمل کیا جاتا ہے اور دوسری کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ مگر نہ اپنے اختیار اور اپنی رائے سے کیونکہ ایسا کرنا باتفاق کفر ہے بلکہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حکم کی وجہ سے دوسرے حکم کو چھوڑا جاتا ہے۔ چھوڑنے سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ تعمیل سے انکار کیا اور اگر ایسا ہو تو یہ یقیناً کفر ہے۔

یہاں تک حنفی، غیر حنفی، مقلد، غیر مقلد، مجتہد، فقیہ سب کے سب ایک ہی راستے پر اور ایک طریقے کے پابند

ہیں بعض احادیث کو یہ چھوڑتا ہے اور وہ بھی، کسی کو کسی پر انگشت نمائی کی مجال نہیں لیکن یہاں سے مقلد اور غیر مقلد، مذہب معین یا غیر معین کے دو راستے علیحدہ علیحدہ ہو جاتے ہیں جن کے معلوم کرنے کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان دونوں راستوں میں سے کونسا راستہ اسلم اور خالی از خطرات ہے اور کس میں گمراہی کا اندیشہ بلکہ گمان غالب ہے اور وہ یہ ہے کہ ان روایات متضادہ میں جب یہ بات باتفاق ضروری ہوئی کہ ایک کو چھوڑا جائے اور ایک پر عمل کیا جائے تو اب اس کی تعیین کہ کس کو چھوڑے اور کس پر عمل کرے ایک اہم کام ہے۔ یہاں پہنچ کر غیر مقلد تو محض اپنی رائے کے اعتماد پر چھوڑتا ہے اور محض اپنے گمان میں جس روایت کو یہ سمجھتا ہے کہ یہ آپ کا فرمان نہیں یا اس موقع کے لیے نہیں اس کو چھوڑ دیتا ہے۔

اور مقلد بھی یہی کام کرتا ہے۔ مگر بہت احتیاط سے کام لے کر۔ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب ملحوظ رکھ کر۔ صرف اپنی رائے پر اعتماد نہیں کرتا بلکہ کسی ہستی کی رائے پر بھروسہ کرتا ہے جس کی عمر اسی میدان کی سیاحت میں گزر چکی ہے اور جو روایات کے نشیب و فراز اور مواقع و محال کو خوب سمجھتا ہے اب ہر شخص سمجھتا ہے۔ کہ دونوں طریقوں سے کون اسلم ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ غیر مقلد بھی دونوں روایتوں میں سے ایک کو ترجیح اپنی رائے سے نہیں دیتا بلکہ اکابر محدثین کے مطابق دیتا ہے۔ تو ہم کہیں گے۔ کہ وہ پھر غیر مقلد نہیں۔ بلکہ مقلد ہے اتنا فرق ہے کہ وہ کسی محدث کا مقلد ہے اور حنفی محدثین کے اُستاد اور فقہ کے بانی ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں۔

الغرض مواضع اختلاف روایات میں بعض احادیث کو چھوڑنے کا الزام مقلدین پر رکھنا بداہت سے آنکھیں بند کر لینا ہے۔

البتہ یہ اعتراض حنفی پر اس وقت ہو سکتا تھا کہ وہ غیر متعارض حدیث کو محض اپنی رائے سے چھوڑ دیتا اور اس کے مقابلہ میں کوئی حدیث پیش نہ کرتا۔ لیکن دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے حنفی مذہب میں اس کی ایک نظیر بھی نہیں دکھلائی جا سکتی کہ صحیح روایت حدیث کو محض اپنی رائے سے چھوڑا گیا ہو۔ اس تقریر سے ع ۲ کا جواب بھی واضح ہو گیا۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوا کہ اگر دنیا میں کوئی شخص اتباع سنت کر سکتا

ہے تو حنفی بھی اُسی طرح کر سکتا ہے۔ بلکہ مقلّد کا اتباع ہر قسم کے خطراتِ گمراہی سے پاک ہے۔

مجھے توقع ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اتنی گزارش سے جناب کا شُبہ دُور ہو جائے گا۔

اُمید ہے کہ احقر کو دُعاء سے یاد رکھیں گے۔ والسلام محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔

از دار الاشاعت دیوبند ۲۵ جمادی الاول ۱۳۴۵ھ

مولانا محمد شفیع کی تقریر کا جواب

مولانا محمد شفیع صاحب کی ساری تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ جن احادیث کا تواتر سے یا سندِ صحیح سے احادیثِ نبویہ ہونا ثابت ہے۔ ان کی ایک قسم چونکہ آپس میں متعارض اور متخالف نظر آتی ہے اس لئے ضرورت ہوئی کہ ایک ایسی ہستی کی طرف رجوع کیا جائے جس کی عمر اسی میدان کی سیاحت میں گذری ہو۔ اور جو روایات کے نشیب و فراز اور ان کے مواقع و محال کو خوب سمجھتا ہو۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ مولانا محمد شفیع صاحب نے اصل نزاع پر کچھ روشنی ڈالی؟ ہم بار بار عرض کر چکے ہیں کہ اصل نزاع یہ ہے کہ آیت کریمہ فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون پر عمل کی کیا صورت ہے؟ کیا سارے دین کا مدار ایک شخص پر رکھ کر عمل کرے یا جس عالم سے اتفاق پڑے مسئلہ دریافت کر کے عمل کرے۔ ظاہر ہے کہ سارے دین کا مدار ایک شخص پر رکھنا اور ہر ایک مسئلہ میں اُسی کی رائے کو اپنے اُوپر لازم سمجھنا یہ اس آیت کے خلاف ہے کیونکہ اس آیت میں مطلق حکم ہے کہ علم نہ ہونے کی صورت میں علم والے سے مسئلہ پُوچھ کر عمل کر لو۔ چنانچہ سلف کے زمانہ میں یہی دستُور تھا۔ ہم مولانا محمد شفیع صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ سلف کے زمانہ میں جب احادیث میں تعارض واقع ہوتا اُس وقت اس تعارض کے رفع کی کیا صورت تھی آیا یہی کہ جس سے اتفاق پڑتا پوچھ لیتے تو پھر

آپ کی تقریر سے کیا نور برسا، ادھر اُدھر کی باتوں میں آپ نے وقت گذار دیا اور محلِ نزاع جوں کا توں رہا ہے۔

ابنِ مریم ہوا کرے کوئی　　　درد دل کی دوا کرے کوئی

اس کے علاوہ آپ کی تقریر سرے سے ہی غلط ہے کیونکہ آپ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ جو احادیث تواتر یا سندِ صحیح سے ثابت ہیں ان کے درمیان رفعِ تعارض کے لئے ہمیں ایک واقف کار ہستی کی ضرورت ہے جس کا انتخاب آپ نے امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے نام سے کیا ہے۔ چلئے، آپ دس احادیث ہی متواتر یا صحیحہ ایسی ثابت کر دیں جو آپس میں متخالف اور متضاد ہوں اور امام ابوحنیفہ صاحبؒ نے ان کے درمیان سے رفعِ تعارض کیا ہو، اس سے آپ کی تقریر کی کچھ وقعت ہو سکتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ ہم امام ابوحنیفہؒ صاحب کی تقریر سننے کے شائق ہیں اور احادیث بھی متواترہ یا صحیحہ ہوں اور امام ابوحنیفہ صاحبؒ کو پہنچی ہوں لیجئے۔

ع　اب اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

لیکن ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ایسی دس احادیث بھی آپ کو نہیں ملیں گی۔ پس معلوم ہوا کہ رفعِ تعارض کے لئے آپ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کی تقلید نہیں کر رہے بلکہ یہاں ع

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

کی ذہنیت کارفرما ہے۔ واللہ! اگر آپ ذرا سا امعانِ نظر سے کام لیں گے تو میری اس بات کو حق بجانب پائیں گے۔ آپ خیال نہیں کرتے کہ میلادِ مروّجہ اور دیگر بدعات دنیا میں کس طرح پھیلیں؟ اسی طرح آہستہ آہستہ تقلیدِ شخصی نے نشوونما پائی ورنہ خیر قرون کے زمانہ سے بہتر زمانہ کونسا ہو سکتا ہے۔ جب وہ تقلیدِ شخصی سے محترز رہے تو ہم کیوں کریں؟ ؎

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

سائل کا شبہ ابھی تک موجود ہے

پھر جواب دیتے وقت آپ کو کم سے کم تھوڑا بہت سائل کے شبہ کا تو لحاظ رکھنا ضروری تھا، مگر آپ نے اس کو بالکل پسِ پشت ڈال دیا۔ سائل کا شبہ تھا کہ :-

" مذہب معین (تقلیدِ شخصی) کا پابند ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ احکام پر عمل ناممکن ہے۔"

سو یہ شبہ بدستور باقی ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ بحکم المجتہد یخطی ویصیب۔ مجتہد سے غلطی ہو جاتی ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک مسئلہ میں آیت وحدیث موجود ہوتی ہے مگر اجتہاد کے وقت مجتہد کو اس کا خیال نہیں رہتا اور اس کا اجتہاد اس کے خلاف ہو جاتا ہے اور کبھی ایک حدیث کا مجتہد کو علم ہی نہیں ہوتا یا ہوتا ہے، مگر صحیح سند سے اس تک نہیں پہنچتی، اس لیے اجتہاد کے موقع پر اس کی مخالفت کر بیٹھتا ہے، تو بتلائیے تقلیدِ شخصی کا پابند رہ کر جملہ احکامِ نبویہ پر کسی طرح عمل ہو سکتا ہے؟ -

قرآن وحدیث کے خلاف اجتہاد کی چند مثالیں

اب قرآن وحدیث کے خلاف کی چند امثلہ سنیئے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے، حضرت عمرؓ نے منبر پر یہ مسئلہ بیان کیا کہ :-

"عورتوں کے مہر زیادہ نہ باندھو۔ اگر اس میں خیر ہوتی تو ازواجِ مطہرات کے مہر زیادہ ہوتے۔"

ایک بڑھیا نے کھڑے ہو کر کہا، آپ تو زیادہ مہر سے منع کرتے ہیں، اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ واتیتم احداھن قنطارا۔ اس آیت میں ایک خزانہ مہر مقرر کرنے کی اجازت ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہوئے فرمایا کلکم افقہ من عمر یعنی تم سب عمر زیادہ فقاہت کے

اسی طرح تفسیر ابن کثیر جلد ۵ صفحہ ۵۰۵ میں زیر آیہ کریمہ ففہمنا ھا سلیمان ، قاضی ایاس بن معاویہ کا واقعہ لکھا ہے کہ وہ بہت روتے اور خیال کیا کہ قاضی سے فیصلہ میں بہت دفعہ غلطی ہوجاتی ہے تو قاضی کی نجات کی کیا صورت ہے تو اس پر حسن بصریؒ نے ان کو اس آیت مذکورہ کی طرف توجہ دلائی کہ ایسی غلطی معاف ہے ، اس سے ان کی تسلی ہوگئی ۔

اسی طرح ابن کثیر جلد ۷ صفحہ ۲۶۲ میں حضرت عثمانؓ کا واقعہ لکھا ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو صرف اتنے پر سنگسار کرا دیا کہ اس کو چھ ماہ کے حمل کا بچہ پیدا ہوگیا ؛ اس کو زانیہ قرار دیا ، حضرت علیؓ کو خبر ہوئی تو انہوں نے آیہ کریمہ وحمله وفصاله ثلثون شهرا اور آیۂ کریمہ وفصاله فی عامين پڑھ سنائی ۔یعنی چھ ماہ کا بھی حمل ہوسکتا ہے ، حضرت عثمانؓ اس پر بہت نادم ہوئے ۔

غرض اس قسم کے قرآنی واقعات بہت ہوجاتے ہیں اور حدیثی واقعات قرآنی واقعات سے بھی زیادہ ہیں ، کیونکہ احادیث کا ذخیرہ بہت بڑا ہے ۔

دیکھیئے عبداللہ بن مسعودؓ کو رکوع میں گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کا مسئلہ معلوم نہیں تھا ، وہ دونوں ہاتھ ملا کر دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھتے تھے ۔ نیز ایک امام اور دو مقتدی ہوں تو ایک کو دائیں طرف اور دوسرے کو بائیں طرف کھڑا کرتے ۔ نیز عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمرؓ جنبی کے لئے تیمم کے قائل نہ تھے ۔ چنانچہ صحاح ستہ وغیرہ میں اس قسم کی بہتیری روایات موجود ہیں ۔

اسی طرح ائمہ دین کا حال ہے ۔

ائمہ دینؒ اور ان کے اجتہادات

امام مالکؒ

امام مالکؒ شوال کے چھ روزوں کو مکروہ ، اور امام ابو حنیفہؒ مکروہ اور بدعت کہتے ہیں حالانکہ

حدیث میں ان روزوں کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ ملاحظہ ہو، موطا امام مالکؒ صفحہ ۹۵ اور نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۲، اور عالمگیری مصری جلد اول صفحہ ۲۱۳۔

نیز امام مالکؒ کو جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے نہی کی حدیث معلوم نہ تھی، ملاحظہ ہو موطا امام مالکؒ مع الشرح صفحہ ۹۸ و بخاری صفحہ ۲۶۶ و مسلم صفحہ ۳۶۱۔

نیز جَو اور گیہوں کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہونے کی حدیث آپ کو معلوم نہ تھی، ان کا مذہب تھا کہ گیہوں کے ایک صاع کے بدلے جَو کا ایک صاع لے سکتا ہے کم و بیش درست نہیں۔ ملاحظہ ہو، موطا امام مالکؒ مع الشرح، صفحہ ۲۶۶ و مسلم صفحہ ۲۵ وغیرہ۔

نیز مُحرم کے لئے بحالت ناموجودگی تہ بند کے پاجامہ کے جائز ہونے کی حدیث آپ کو معلوم نہ تھی۔ ملاحظہ ہو موطا مع الشروح صفحہ ۱۲۶ و بخاری صفحہ ۲۴۹ و مسلم صفحہ ۳۷۳۔

امام شافعیؒ

اسی طرح امام شافعیؒ کو حدیث صلوٰۃ الخوف جو مسلم کے صفحہ ۲۷۸ میں ہے، جس میں یہ ذکر ہے کہ پہلی رکعت میں صف ثانی صف اول کی حفاظت کرے۔ معلوم نہ تھی، آپ فرماتے تھے کہ پہلی رکعت میں صف اول، صف ثانی کی حفاظت کرے، ملاحظہ ہو دراسات اللبیب صفحہ ۲۹۴۔

نیز کُسم سے رنگے ہوئے کپڑے کی ممانعت کی حدیث جو مسلم جلد ۲ کے صفحہ ۱۹۳ میں ہے، آپ کو معلوم نہ تھی، ملاحظہ ہو عقد الجید صفحہ ۸۴۔

نیز حدیث بروع بنت واشق جس کو بلوغ المرام میں بحوالہ ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور مسند احمد بسند صحیح روایت کیا ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ جس عورت کا مہر مقرر نہ ہو، اگر اس کا خاوند بغیر ہمبستری کے مرجائے تو اس کو اس کے خاندان کی عورتوں کے اندازے پر مہر ملے گا۔ اور وہ خاوند کے مال سے

میراث بھی لے گی، اور چار ماہ دس روز عدت بھی گزارے گی۔ یہ امام شافعیؒ کو بسند صحیح معلوم نہ تھی۔ اُن کا مذہب یہ تھا کہ وہ میراث لے گی اور چار ماہ دس روز عدت بھی گزارے گی مگر مہر کی مستحق نہیں اور فرماتے تھے کہ اگر حدیث بروع بنت واشق کی ثابت ہو جائے تو حجت وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہو۔ (ترمذی صفحہ ۱۳۰ وعقد الجید صفحہ ۸۳) اور یہی مذہب علی بن ابی طالبؓ، زید بن ثابتؓ، ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ کا تھا، ملاحظہ ہو ترمذی صفحہ ۱۳۰۔

نیز امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور اسحاقؒ اس بات کے قائل ہیں کہ کنواری بالغہ کا نکاح اس کا باپ بغیر اجازت کے کر دے تو خواہ راضی ہو یا ناراض، نکاح فسخ نہیں ہو سکتا، ملاحظہ ہو ترمذی صفحہ ۱۳۱، حالانکہ مشکوٰۃ کے صفحہ ۲۷۰ میں حدیث ہے کہ ایک کنواری بالغہ کا نکاح اس کے باپ نے کر دیا اور وہ ناراض تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دے دیا۔

نیز مستحاضہ کی حدیث جو مسلم کے صفحہ ۱۵۱ میں ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ مستحاضہ نماز پڑھے، امام شافعیؒ کو معلوم نہ تھی، ملاحظہ ہو دراسات اللبیب صفحہ ۴۳ و میزان شعرانی صفحہ ۶۶۔

نیز بریدہ کی حدیث جو مسلم کے صفحہ ۲۲۳ میں ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں کے اوقات کی بابت سوال کیا تو آپ نے دونوں دن نمازیں پڑھائیں۔ ایک روز اوّل وقت، دوسرے روز اخیر وقت، پھر فرمایا کہ نمازوں کا وقت، ان دو وقتوں (اوّل، آخر) کے درمیان ہے۔ یہ حدیث امام شافعیؒ کو معلوم نہ تھی۔ ملاحظہ ہو، عقد الجید صفحہ ۸۳

امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ احناف

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ صاحب کو شوال کے چھ روزوں کی حدیث معلوم نہ تھی، چنانچہ ابھی گذرا ہے۔
نیز مسلم کے صفحہ ۔۔ میں حدیث ہے، جب کوئی تم سے جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو، تو

دو ہلکی سی رکعتیں پڑھ لے۔ امام ابوحنیفہؒ صاحب کو یہ حدیث معلوم نہ تھی۔ آپ فرماتے ہیں جب امام گھر سے نکلے تو پھر کوئی نماز نہیں۔ ملاحظہ ہو ہدایہ ص۱۵۱ وغیرہ۔

نیز نماز استسقاء میں چادر الٹانے کی حدیث جو بخاری کے ص۲۹۳ اور مسلم کے ص۱۲۹ میں ہے۔ آپ کو معلوم نہ تھی۔ آپ چادر الٹانے بلکہ نماز استسقاء ہی سے انکاری ہیں۔ ملاحظہ ہو ہدایہ ص۱۵۱ و مؤطا امام محمد ص۱۵۸ وغیرہ۔

نیز سجدہ شکر کی حدیث جو مشکوٰۃ کے ص۱۲۳ میں ہے، آپ کو معلوم نہ تھی۔ آپ اس کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو حاشیہ مشکوٰۃ و رد المحتار جلد اول بحث نیت تیمم و نیز ص۵۵۰۔

اسی طرح خرص التمر کی حدیث یعنی کھجوروں کا درختوں پر زکوٰۃ لینے کے لئے اندازہ کرنا کہ کس قدر ہیں۔ پھر ایک تہائی یا چوتھائی چھوڑ کر باقی سے زکوٰۃ وصول کرنا (جیسے ہندوستان میں قدیم رواج تھا) یہ حدیث آپ کو معلوم نہ تھی۔ یہ حدیث بخاری کے ص۲۰۰ و مسلم کے ص۶۰ و ابوداؤد کے ص۲۲۵ وغیرہ میں ہے۔ اور منتقی مع نیل الاوطار جلد ۴ کے ص۱۳۰ میں ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ کی حدیث ہے جس میں کھجوروں کی طرح انگوروں میں بھی اندازہ لگانے کا ذکر ہے۔ اس اندازہ لگانے سے غرض یہ ہوتی ہے کہ ایک تو مالکوں کو حساب کی تکلیف نہ ہو کیونکہ پھل تھوڑا تھوڑا اترتا ہے اور اکثر ساتھ ساتھ کھایا بھی جاتا ہے۔ دوسرے زکوٰۃ وصول کرنے والوں کو مالکوں کی خیانت کا بھی اندیشہ رہتا ہے اور ہر وقت نگرانی مشکل ہوتی ہے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک عامل بھیجتے جو اس فن میں ماہر ہوتا وہ اندازہ لگا کر احتیاطاً تہائی یا چوتھائی اس میں سے چھوڑ کر باقی میں زکوٰۃ کا حساب مالکوں کو بتا کر چلا آتا، پھر جب مرضی ہوتی اتنی زکوٰۃ جا کر وصول کر لیتے۔ امام ابوحنیفہ صاحبؒ فرماتے ہیں الخرص لیس بشئ، یعنی اندازہ کوئی شے نہیں، ملاحظہ ہو محلّی شرح مؤطا، اور نیل الاوطار جلد ۴ کے ص۱۳۱ میں کہا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اس کو رجماً بالغیب کہتے ہیں۔ اور آپ کے مقلدوں نے تو اس کو سُود اور قمار میں داخل کر دیا ہے۔ حالانکہ خطابیؒ نے کہا ہے کہ اس پر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا عمل رہا ہے اور کوئی صحابی اس کا منکر نہیں نہ تابعینؒ سے سوائے شعبیؒ کے کوئی منکر ہے۔

اسی طرح منتقیٰ مع نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۳۲۵ میں متفق علیہ حدیث ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں جب ذی الحلیفہ سے مکہ کو روانہ ہونے لگے تو اشعار کیا یعنی قربانی کے اُونٹ کی کوہان میں زخم کرکے خون اُوپر مل دیا، تاکہ معلوم ہو کہ یہ قربانی کا اُونٹ ہے۔ اور ایک اور متفق علیہ حدیث ہے کہ آپؐ نے مدینہ سے کسی کے ساتھ مکہ میں قربانیاں بھیجیں تو اشعار کیا۔ امام ابُوحنیفہ صاحبؒ اس سے منکر ہیں، بلکہ اس کو مُثلہ کہتے ہیں جو شرع میں حرام ہے، یعنی ہاتھ، پاؤں، ناک، کان وغیرہ کا کاٹنا۔ ملاحظہ ہو ترمذی صفحہ ۱۱۱ اور ہماری کتاب تعریف اہلحدیث حصہ اوّل کے صفحہ ۶۵ میں بھی یہ مسئلہ مفصل گذر چکا ہے۔ وہاں ہم نے ترمذی کی اصل عبارت بھی نقل کر دی ہے۔

اسی طرح ان اشعار کی احادیث میں قربانیوں کے گلوں میں (علامت کے لئے) پٹے باندھنے کا بھی ذکر ہے۔ ابن المنذر کہتے ہیں، اہل الرائے اور امام مالکؒ اس کے منکر ہیں۔ نیل الاوطار میں ابن المنذر سے یہ نقل کر کے کہا ہے۔ وزاد غیرہ وکانہ لم یبلغہم الحدیث۔ یعنی اور لوگوں نے یہ بات زیادہ کی ہے کہ گویا اہل الرائے اور امام مالکؒ کو یہ حدیث نہیں پہنچی۔

اسی طرح امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمین کی پیداوار (پھل، دانے وغیرہ) پر ہر حالت میں عُشر ہے) خواہ تھوڑے ہوں یا زیادہ، چنانچہ قدوری صفحہ ۴۲ میں ہے۔ حالانکہ مشکوٰۃ کے صفحہ ۱۵۸ میں متفق علیہ حدیث ہے کہ پانچ وسق کھجور سے کم میں صدقہ نہیں اور پانچ وسق قریباً بیس من پختہ انگریزی ہوتے ہیں۔ اور منتقیٰ مع نیل الاوطار کے صفحہ ۲۰۸ میں احمد اور مسلم اور نسائی کی ایک روایت ہے جس میں دانوں کا بھی ذکر ہے۔ اور مسلم کی ایک اور روایت میں پھل کا لفظ ہے (جس میں انگور وغیرہ بھی داخل ہیں جن میں زکوٰۃ ہے)

اسی طرح امام ابوحنیفہ صاحبؒ ہر پیداوار میں عُشر کے قائل ہیں۔ چنانچہ یہ بھی قدوری صفحہ ۴۲ وغیرہ

میں موجود ہے۔ حالانکہ مشکوٰۃ کے صفحہ ۱۵۸ میں دارقطنی سے روایت کیا ہے کہ سبزیوں میں صدقہ نہیں۔ اور منتقیٰ مع نیل الاوطار صفحہ ۲۹ میں بحوالہ اثرم اس حدیث کو مرسل روایت کیا ہے (جو حنفیہ کے نزدیک حجت ہے ملاحظہ الانوار ص۱۵۶ وغیرہ) اور کہا ہے کہ اس حدیث سے خود مرسل روایت کرنے والے (تابعی موسیٰ بن طلحہ) نے استدلال کیا ہے۔ اس لئے یہ باقی مرسل احادیث سے قوی ہو گئی (خاص کر حنفیہ کے نزدیک کیونکہ ردّ المحتار میں ہے۔ ان المجتھد اذا استدل بحدیث کان تصحیحا لہ کما فی التحریر وغیرہ انتھی (معیار الحق ص۱۴۵) یعنی مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو یہ اس حدیث کی تصحیح ہے)

اسی طرح قدوری کے ص۴۲ میں شہد کی بابت امام ابو حنیفہؒ کا مذہب یہ بتلایا ہے کہ قلیل کثیر میں عشر ہے حالانکہ مشکوٰۃ کے ص۱۵۶ میں حدیث ہے کہ دس مشکوں میں ایک مشک ہے۔ اگرچہ اس حدیث میں کچھ ضعف ہے مگر شہد میں عشر کی بابت کونسی صحیح حدیث ہے؟

اسی طرح قدوری ص۴۴ میں ہے کہ کافر غلام پر بھی صدقہ فطر ہے۔ حالانکہ مشکوٰۃ کے ص۱۶۰ میں متفق علیہ حدیث ہے جس میں مسلمان ہونے کی قید ہے۔ اسی طرح قدوری کے ص۴۴ میں ہے کہ صدقہ فطر نماز عید سے پہلے نکالنا مستحب ہے حالانکہ مشکوٰۃ ص۱۶۰ میں متفق علیہ حدیث ہے کہ آپؐ نے عید سے پہلے نکالنے کا امر فرمایا ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے نیز اس (متفق علیہ) حدیث میں ہے کہ صدقہ فطر فرض ہے اور ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حدیث ہے کہ جو نماز سے پہلے ادا کرے وہ زکوٰۃ مقبول ہے۔ (یعنی وہ صدقہ فطر بن گیا) اور جو نماز کے بعد ادا کرے وہ صدقوں میں سے ایک صدقہ ہے (یعنی وہ صدقۂ فطر نہیں بنا پس فرض ادا نہ ہوا) یا یہ مطلب ہے کہ جو پہلے ادا کرے وہ زکوٰۃ مقبول ہے کیونکہ وہ حکم کے مطابق ادا ہوئی اور جو بعد میں کرے وہ عام صدقوں میں سے ایک صدقہ ہے جن کی قبولیت ضروری نہیں کیونکہ حکم کے موافق ادا نہیں ہوئی، بہرصورت پہلے ادا کرنا مستحب نہ ہوا، واجب ہوا۔

اسی طرح قدوری کے صفحہ ۳۲ میں ہے کہ جب اونٹ ایک سو بیس سے بڑھ جائیں تو زیادہ کا حساب نئے سرے سے ہوگا۔ مثلاً ایک سو بیس سے پانچ زائد ہوگئے تو ان پانچ کی زکوٰۃ ایک بکری ہوگی۔ اگر دس زیادہ ہوں تو دو بکریاں وعلیٰ ہذا القیاس۔ حالانکہ مشکوٰۃ کے صفحہ ۱۵۷ میں بخاری کی حدیث ہے کہ جب ایک سو بیس سے زیادہ ہوجائیں تو ہر چالیس میں بنت لبون ہے۔ (یعنی اُونٹ کا دو سالہ بچہ جس پر تیسرا سال شروع ہو) اور ہر پچاس میں حقہ (یعنی اُونٹ کا سہ سالہ بچہ جس پر چوتھا سال شروع ہو)

اسی طرح قدوری صفحہ ۱۱۶ اور اس کے حاشیہ میں ہے کہ کسی کو کوئی شے ہبہ کرکے رجُوع کرسکتا ہے مگر ذی رحم کا محرم کو کوئی شے ہبہ کرکے رجوع کرنا صحیح نہیں۔ مثلاً باپ اپنے بیٹے کو کوئی شے ہبہ کرے تو رجوع نہیں کرسکتا۔ حالانکہ بلُوغ المرام جلد ۲ کے صفحہ ۳۳ میں متفق علیہ حدیث ہے کہ ہبہ میں رجُوع کرنا کُتّے کی مثال ہے کہ قے کرکے چاٹتا ہے۔ سبل السلام شرح بلُوغ المرام میں ہے، علامہ طحاویؒ (حنفی) کہتے ہیں کہ کُتّے کے ساتھ تشبیہ دینا دلالت کرتا ہے کہ ہبہ میں رجُوع حرام نہیں کیونکہ کُتّہ پر اپنی قے میں رجُوع حرام نہیں کیونکہ وہ مکلّف نہیں صرف نفرت طبعی دلانے کے لئے کُتّے سے تشبیہ دی ہے۔ مگر علامہ طحاویؒ کا یہ کہنا غلط ہے کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ ہمارے لئے بُری مثال نہیں کہ ہبہ میں رجُوع کریں جیسے کتا اپنی قے میں رجُوع کرتا ہے یعنی ہمیں کُتّوں کی عادتیں اختیار کرنا جائز نہیں (جیسے قرآن میں سورہ اعراف میں بلعم بن باعور کی بابت کہا گیا ہے کہ اس کی مثال کُتّے کی ہے خواہ اس پر بوجھ ڈالے یا نہ، اس کی زبان نکلی رہتی ہے اور منہ کُھلا رہتا ہے اور سُورہ جمعہ میں یہود کی بابت کہا گیا ہے کہ ان کی مثال گدھے کی ہے۔ جس پر کتابیں لدی ہوں۔ اسی طرح قرآن میں بہت سی مثالیں ہیں اور حدیث میں نماز میں کوے کی طرح ٹھنگورے مارنے اور کُتّے کی طرح بیٹھنے اور لومڑی کی طرح اِدھر اُدھر جھانکنے اور درندے کی طرح ہاتھ بچھانے اور اُونٹ کی طرح گوڈ مارنے وغیرہ سے نہی آئی ہے۔ مطلب ان تشبیہات سے نہی میں تاکید ہے۔ اور زیادتِ زجر ہے نہ یہ کہ حیوانوں کے لئے یہ فعل حرام نہیں تو ہمارے لئے بھی حرام نہیں۔ ٹھیک اسی طرح

ہبہ میں رجوع کرنے کو کُتّے کے ساتھ تشبیہ دینا حُرمت سے مانع نہیں بلکہ زیادت حرمت پر دلالت کرتا ہے۔
(انتہیٰ مع زیادۃ)

نیز قدوری کے صفحہ ۱۱۱ میں ہے کہ صدقہ میں رجوع صحیح نہیں۔ اور بخاری کے صفحہ ۳۵۷ میں حدیث ہے کہ صدقہ میں رجوع کرنے والا کتّے کی طرح ہے جو اپنی قے میں رجوع کرتا ہے۔ پس جیسے صدقہ میں کتّے سے تشبیہ دینا مانع حُرمت نہیں بلکہ حُرمت میں تاکید ہے اسی طرح ہبہ کو سمجھ لینا چاہیئے۔

نیز بخاری کے اسی صفحہ میں ایک اور حدیث ہے کہ ہبہ میں رجوع کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی اپنی قے میں رجوع کرے اور اپنی قے میں رجوع قطعاً حرام ہے، پس اس سے بھی ہبہ میں رجوع کی حرمت ثابت ہوئی۔ اور بلوغ المرام جلد ۲ صفحہ ۳۰ میں مسند احمد اور سُنن اربعہ کی حدیث ہے جس کو ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے صحیح بھی کہا ہے کہ مسلمان کے لئے ہبہ میں رجوع حلال نہیں مگر والد جو کچھ اولاد کو ہبہ کرے وہ رجوع کر سکتا ہے۔ دیکھئے قدوری میں جو کچھ لکھا ہے اس کے بالکل اُلٹ ہے۔ قدوری میں کہا ہے کہ اجنبی کو ہبہ کرے تو رجوع کر سکتا ہے۔ اور اس حدیث میں ہے کہ والد کا غیر رجوع نہیں کر سکتا۔ اور قدوری میں ہے کہ ذی رحم محرم کو ہبہ کرے تو رجوع نہیں کر سکتا جس میں والد بھی داخل ہے اور اس حدیث میں ہے کہ والد رجوع کر سکتا ہے۔

اسی طرح قدوری کے صفحہ ۳۹ میں ہے کہ امام ابُوحنیفہؒ کے نزدیک گھوڑوں میں زکوٰۃ ہے۔ حالانکہ بلُوغ المرام کے صفحہ ۱۱۵ میں بخاری کی حدیث ہے کہ مسلمان پر اس کے گھوڑے اور غلام میں صدقہ نہیں۔ اسی طرح قدوری کے صفحہ ۴۲ میں ہے کہ تجارت کے غلاموں کی طرف سے صدقہ فطر ادا نہ کرے حالانکہ بلوغ المرام کے صفحہ مذکور پر مسلم کی حدیث ہے کہ غلام پر صدقہ نہیں مگر صدقہ فطر۔"

اسی طرح زمین کو بٹائی پر دینے کی حدیث اور انگوروں کے کچّے شیرہ کی شراب کے علاوہ باقی شرابوں کے حرام ہونے کی حدیث آپ کو معلوم نہ تھی۔ آپ کے مذہب میں باقی شرابیں اتنی پینی جائز ہیں جس سے نشہ نہ آئے۔

اسی طرح رضاعت کی مدت ان کے نزدیک اڑھائی سال ہے۔ حالانکہ یہ قرآن کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ اس قسم کے کئی ایک مسائل ہیں جن کی تعریف اہلحدیث حصہ دوم چھٹے مقصد کے شبہ چہاردہم میں ہم نے کسی قدر تفصیل سے کی ہے۔

غرض اس قسم کے ائمہ کے مسائل بکثرت ہیں جن میں ان سے احادیث کا خلاف ہوا ہے۔ خاص کر امام ابوحنیفہؒ سے زیادہ غلطیاں ہوئی ہیں، کیونکہ وہ رائے قیاس زیادہ کرتے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ اہل الرائے مشہور ہو گئے۔ یہاں تک کہ امام شافعیؒ نے کہا الناس عیال علی فقه ابی حنیفة یعنی "لوگ فقہ رائے میں امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں"۔ اور زیادہ رائے قیاس کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ انہوں نے احادیث کے لئے دوسرے ائمہ اور محدثین کی طرح سفر نہیں کیا اور نہ مدینۃ العلم میں تھے، اس لئے ان کو احادیث کم پہنچیں، تعریف اہلحدیث حصہ دوم میں صفحہ ۱۳۱ سے ۱۳۶ تک ہم نے اس کی تفصیل کی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص مذہب معین (تقلید شخصی) کا پابند رہ کر جملہ احکام نبویہ پر عمل نہیں کر سکتا بلکہ قرآن و حدیث کی مخالفت لازم آتی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ حق کی تلاش میں رہے، جہاں سے ملے لے لے، خواہ کسی امام سے ملے۔

اور اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مولانا محمد شفیع کا حنفی مذہب کو احادیث کی مخالفت سے بری کرنا واقعات کے خلاف ہے۔ مولانا موصوف فرماتے ہیں۔

"حنفی مذہب میں اس کی ایک نظیر بھی نہیں دکھلائی جا سکتی کہ صحیح حدیث کو محض اپنی رائے سے چھوڑا گیا ہو۔"

ہم نے ایک چھوڑ اس کی کئی نظیریں ذکر کر دی ہیں، ہاں ائمہ کرامؒ اس سے بری ہیں، کیونکہ ان کو یہ حدیثیں نہیں پہنچی ہوں گی یا ان کو خیال نہیں رہا ہوگا ورنہ ایسا غیر ممکن ہے کہ صحیح حدیث سامنے ہوتے ہوئے اس کا خلاف کریں۔

مولانا محمد شفیع صاحب کی تقریر پر چند شبہات اور بھی ہیں۔ مگر اختصار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اتنے پر اکتفا کرکے اس محل میں ان کے بڑے مولانا محمود حسنؒ صاحب کی تقریر کے متعلق ذکر کرتے ہیں، وہ ایک نرالی طرز چلے ہیں۔

مولانا محمود حسنؒ دیوبندی اور تقلید

مولانا محمود حسن صاحب اپنی کتاب ایضاح الادلہ کے صفحہ ۱۰۱ میں تقلید کو ثابت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

• مگر استحساناً اس قدر عرض کئے دیتا ہوں کہ آپ اور آپ کے مرشد آخر اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ نفس تقلید حق ہے، کلام ہے تو تقلیدِ شخصی میں ہے مگر یہ بات ظاہر ہے کہ بنائے تقلید بدلالۃ آیت فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ونیز بدلالۃ عقل فقط اس امر پر ہے کہ جس بات کو آدمی خود نہ سمجھے اور اس کے فہم کو وہاں تک رسائی نہ ہو تو بناچاری اس فن کے جاننے والوں کا اتباع کرنا پڑتا ہے یہ نہیں کہ تقلید فی حدِ ذاتہٖ کوئی امر ضروری واجب فی الدین ہے ورنہ جملہ ائمہ مجتہدین پر یہ اعتراض سب سے پہلے ہوگا۔ بالجملہ تقلید مسائل فقہیہ کا حال بعینہٖ تقلید و اتباع میں طب و ریاضی و ہیئت وغیرہ فنون کا سا سمجھنا چاہیئے کہ عالم و ماہر کو تو کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اَوروں کو بدوں اتباع چارہ نہیں سو جب اتباع ہی کی ٹھہری تو اگر کوئی بالخصوص ایک ہی عالم کا اتباع کرے، اگرچہ اَوروں کو بھی قابلِ اتباع سمجھے۔ آپ ہی فرمایئے کہ اس کے عدمِ جواز کی کیا وجہ؟ اور بالخصوص جب کہ کوئی متعدد علمائے دین میں سے ایک کو افضل و اعلیٰ سمجھے تو علی التعیین اسی کا اتباع کرنا افضل و اولیٰ ہوگا بلکہ اگر واجب و ضروری کہا جائے۔ چنانچہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور اکثر علماء سے یہ منقول ہے تو بجا معلوم ہوتا ہے کیونکہ بوقتِ اختلاف اقوال جب کہ طب و ریاضی وغیرہ علوم میں اعلم و افضل کا قول اختیار کرنا ہر کوئی قرینِ عقل سمجھتا ہے تو علوم

دین میں بوقتِ اختلافِ اقوال افضل و اعلم کا قول اختیار کرنا کیونکر اقتضاء عقل نہ ہوگا۔" انتہٰی

جواب

ناظرین خیال فرمائیں کہ مولانا محمود حسن صاحب کیسے دلیر ہیں کہ اپنا مطلب ثابت کرنے کے لئے آیت پر کتنے حاشیے چڑھائے ہیں اور اِدھر اُدھر کی کتنی باتیں ملائی ہیں۔ اوّل یہ کہ آیت میں ذکر ہے کہ جب علم نہ ہو تو علم والوں سے پُوچھ لو۔" مولانا محمود حسن صاحب اس پُوچھنے کو تقلید کہتے ہیں۔ چنانچہ اس عبارت میں کسی جگہ لفظ اتباع کا استعمال کیا ہے۔ کسی جگہ تقلید کا، کسی جگہ دونوں کا، گویا اتباع اور تقلید کو ایک قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ خدا و رسول کی بات کو ماننا تقلید نہیں کہا جاتا، اتباع کہا جاتا ہے جیساکہ تحریر ابن الہمام کے حوالہ سے صفحہ ۲۶ میں گذر چکا ہے۔

دوم یہ کہ فرماتے ہیں:-

" اگر کوئی بالخصوص ایک ہی عالم کا اتباع کرے اگرچہ اَوروں کو بھی قابلِ اتباع سمجھے۔ آپ ہی فرمائیے کہ اس کے عدمِ جواز کی کیا وجہ؟"

مولانا صاحب یہ نہیں سمجھے کہ اس کے عدمِ جواز پر خُود یہ آیت ہی دلالت کر رہی ہے۔ کیوں کہ اس آیت میں کسی کی خصوصیت نہیں کی، اب اپنی طرف سے ایک کو معیّن کرنا آیت کے سراسر خلاف ہے بلکہ عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ کی حدیث کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ ابھی ہم مولانا رشید احمد صاحب کی تردید میں صفحہ ۲۳ پر تفصیل کر چکے ہیں۔

سوم مولانا صاحب فرماتے ہیں:-

" بالخصوص جب کہ کوئی مقلّد علمائے دین میں سے ایک کو افضل و اعلیٰ سمجھے تو علی التعیین اسی کا اتباع کرنا افضل و اولیٰ ہوگا۔"

یہ بھی اس آیت کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اس آیت میں نہ اعلیٰ کی تعیین ہے نہ غیر اعلیٰ کی

بلکہ جس کو مسئلہ کا علم ہو، آیت کہتی ہے اس سے پُوچھ لو۔ پھر دیکھئے دائیں طرف بائیں سے افضل ہے۔ مگر عبداللہ بن مسعُودؓ ایک جانب کو مُعیّن کرنا شیطانی فعل قرار دیتے ہیں۔ بلکہ یہ اجماع صحابہؓ اور خیر قرون کے بھی خلاف ہے۔ کیوں کہ ان میں افضل سے افضل اور اعلیٰ سے اعلیٰ موجُود تھے۔ مگر تقلید کسی کی نہیں ہوئی۔ بلکہ جس سے کوئی چاہتا فتوے پُوچھ لیتا۔ چنانچہ تعریف اہلحدیث کے صفحہ ۶۰ - ۶۱ میں ہم نے تفصیل کی ہے۔

چہارم مولانا محمود حسن صاحب فرماتے ہیں :۔

" بلکہ اگر واجب اُور ضروری کہا جائے۔ چنانچہ امام احمدؒ اور اکثر علماء سے یہ منقول ہے تو یہ بجا معلوم ہوتا ہے "

ناظرین خیال فرمائیں کہ آیت و حدیث اُور خیر قرون کی روش تو جواز کو بھی روک رہی ہے۔ اور یہ وجُوب ثابت کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ امام احمدؒ اور اکثر علماء کے ذمہ بہتان لگا دیا کہ وہ تقلید شخصی کے وجُوب کے قائل ہیں۔ حالانکہ امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ لا تقلدنی ولا تقلدن مالکا ولا غیرہ و خذ الاحکام من حیث اخذوا من الکتاب والسنۃ (عقد الجید صـ) یعنی " نہ میری تقلید کر نہ امام مالکؒ کی نہ غیر کی، بلکہ جہاں سے اُنہوں نے احکام لئے ہیں، وہیں سے تُو لے۔ یعنی کتاب وسُنّت سے "

اسی طرح اور ائمہ نے بھی اپنی تقلید سے منع کیا ہے۔ چنانچہ تعریف اہلحدیث حصّہ اول کے صفحہ ۲۰، ۲۸ وغیرہ میں ہم نے تفصیل کی ہے بلکہ حصّہ اوّل کے صفحہ ۵۹ لغایت ۶۱ میں ہم نے تفصیل کی ہے کہ تقلید بدعت ہے بلکہ ابھی اُوپر گذر چکا ہے کہ تقلید بدعت ہے تو کیا کوئی عالم بدعت کا بھی حکم دے سکتا ہے؟ خصُوصاً امام احمد جیسا شخص، پس یہ سراسر بہتان ہے؛ اعاذنا اللہ منہ۔

پنجم مولانا محمود حسن صاحب فرماتے ہیں :۔

" بوقت اختلافِ اقوال جب کہ طب وریاضی وغیرہ علوم میں اعلیٰ و افضل کا قول اختیار کرنا

ہر کوئی قرینِ عقل سمجھتا ہے۔ تو علومِ دین میں بوقتِ اختلافِ اقوال افضل و اعلم کا قول اختیار کرنا کیونکر اقتضاء عقل نہ ہوگا"

یہ اقتضاء عقل جو مولانا صاحب نے بتلایا ہے، یہ آیت اس کو رد کر رہی ہے کیونکہ آیت میں علم نہ ہونے کے وقت پوچھنے کا ذکر ہے۔ خواہ اتفاقی مسئلہ ہو یا اختلافی مسئلہ۔ پھر اعلیٰ و غیر اعلیٰ کی بھی تفصیل نہیں بلکہ جس کو اس مسئلہ کا علم ہو جس کی سائل کو ضرورت ہے اُس سے پوچھ سکتا ہے خواہ اعلیٰ ہو یا ادنیٰ پھر علم طب اور ریاضی کا ذکر کرنا بھی بے محل ہے۔ کیونکہ علمِ طب اور ریاضی میں آج تک کسی نے تقلیدِ شخصی نہیں کی۔ یعنی علمِ طب اور ریاضی کے مسائل میں ایک عالم کی ماتحتی اختیار کر لی ہو، جو کچھ وہ کہے اُسی کا ماننا اپنے ذمہ لازم کر لیا ہو یعنی ایک شخص کے مذہب کا التزام کر لیا ہو ایسا کبھی نہیں ہُوا۔

اس کے علاوہ طب اور ریاضی عقلی علوم ہیں جیسے ان میں عقلی دلیل کی ضرورت ہے۔ اسی طرح مسائل شرعیہ، نقلی علوم ہیں، ان کا ثبوت قرآن و حدیث سے چاہئیے۔ علومِ نقلیہ کو علومِ عقلیہ پر قیاس کرنا درست نہیں۔

پھر دین میں ایک مذہب کی پابندی مقتضائے عقل کے بھی خلاف ہے۔ خواہ وہ امام کسی کے نزدیک اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب دین محض نقل کی قسم سے ہوا تو مقتضیٰ عقل تو یہ ہے کہ انسان ہمیشہ نقل کا متلاشی رہے اور سوال یُوں کرے کہ اس مسئلہ میں خدا و رسول کا کیا ارشاد ہے۔ اگر ایک جگہ سے نقل نہ ملے تو دوسری جگہ اپنی تسلی کرلے۔ اگر کوئی فقاہت میں زیادہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حق اُسی کے پاس ہو بلکہ بہت دفعہ دوسرے کے پاس کوئی آیت و حدیث ہوتی ہے جس کی طرف اس فقیہ کا خیال نہیں گیا یا اس کو نہیں پہنچی۔ چنانچہ کئی مسائل میں بڑے بڑے صحابہ غلطی پر رہے۔ اسی طرح اماموں کا حال ہے۔ چنانچہ ص۵۰ سے ص۶۶ تک کسی قدر اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ علم طب یا ریاضی وغیرہ میں اول تو تقلیدِ شخصی نہیں

دوم یہ عقلی علوم ہیں ان پر دینیات کو قیاس کرنا بڑا دھوکا ہے۔ کیونکہ دین محض نقل کی قسم سے ہے۔ اور اس کا معاملہ بہت نازک ہے۔ عقل سے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کے لئے قرآن وحدیث چاہیئے۔ جب قرآن وحدیث سے ایک مذہب کی پابندی ثابت نہیں تو پھر مسلمان کی شان نہیں کہ اس کو اختیار کرے۔ پھر اس پابندی میں اُن آیتوں اور حدیثوں کو چھوڑنا پڑتا ہے جو اس مذہب کے خلافِ واقع ہوتی ہیں۔ اور یہ اقتضاء عقل کے بھی خلاف ہے۔ پس ایسی حالت میں کون دانا ہے جو ایک امام کا گیت گاتا جائے۔ ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ان لوگوں نے نقل کو تو چھوڑا تھا عقل کو بھی چھوڑ دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ مولانا محمود حسن صاحب نے آیت سے استدلال کرنے کے لئے کتنے حاشیے چڑھائے ہیں۔ پھر ساتھ اس کے عقل کو بھی شامل کر لیا کہ عقل کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ ایک کی پابندی ہو حالانکہ عقل کا اقتضاء یہ ہے کہ پابندی نہ ہو۔ مگر یہ لوگ اپنی غلط عقل ہی کو رہبر سمجھے ہوئے ہیں اور اسی سے قرآن و حدیث میں تصرف کرتے ہیں جس سے اُلٹ پلٹ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا محمود حسنؒ کی تقاریر پر ایک اعتراض

عموماً مقلدین اثباتِ تقلید میں کہا کرتے ہیں کہ آیات اور احادیث میں تعارض واختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ اس لئے ایک ایسی ہستی کی طرف رجوع کی ضرورت ہے جو اعلیٰ وافضل ہو اور اس میدان کی سیاحت میں اس کی عمر گذری ہو جس کا انتخاب انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کے نام سے کیا ہے اور اس دلیل کو تقلیدِ شخصی کی ایک زبردست دلیل خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے تو اپنی ساری تقریر کی بناء ہی اسی پر رکھی ہے۔ اور مولانا محمود حسن صاحب نے بھی یہی تمہید اٹھائی ہے کہ جب علوم طب وریاضی وغیرہ میں اختلاف کے وقت اعلیٰ وافضل کی طرف رجوع ہوتا ہے تو دین میں کیوں رجوع نہ ہو؟۔

میں کہتا ہوں کہ مسائلِ فقہیہ میں قرآن وحدیث سے بھی زیادہ اختلاف ہے۔ مثلاً وضو وغیرہ کے

مستعمل پانی میں امام ابوحنیفہؒ صاحبؒ کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ نجس خفیف ہے۔ دوم یہ کہ نجس غلیظ ہے۔ جیسے پاخانہ پیشاب ہے۔ سوم یہ کہ پاک ہے۔ دوسری شے کو پاک نہیں کرتا۔ اور کنوئیں کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ جنبی اس میں ڈول وغیرہ نکالنے کے لئے غوطہ لگائے تو جنبی کی جنابت نہیں اترے گی۔ اور کنواں بھی اپنی حالت پر رہے گا۔

اسی طرح حنفیہ کے نزدیک جمعہ کے لئے مصر جامع شرط ہے مگر مصر جامع کی تعریف میں اتنا اختلاف ہے کہ الامان والحفیظ۔ اگر کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہو تو ہمارا رسالہ **اطفاء الشمعه فی ظهر الجمعه** حصہ دوم تعارض ۲۵ ملاحظہ ہو۔

اسی طرح مسئلہ فاتحہ خلف الامام میں امام ابوحنیفہؒ کے دو قول ہیں، ایک پڑھنے کا، ایک نہ پڑھنے کا۔ چنانچہ مولانا عبدالحی صاحب لکھنویؒ نے امام الکلام کے حاشیہ ص۱۵۶ میں بحوالہ شعرانی ذکر کیا ہے۔ غرض مسائل فقہیہ میں اسی طرح کے بہت سے اختلافات ہیں جن کی کسی قدر تفصیل ہمارے رسالہ تعریف اہلحدیث حصہ اول ص۹۷ میں ہے تو ان اختلافات کے لئے بھی تقلیدی دائرہ کے اندر ایک اعلیٰ وافضل ہستی کی ضرورت ہوئی جس کی عمر اسی میدان کی سیاحت میں گذری ہو۔ مثلاً ابن الہمامؒ یا سرخسیؒ یا قاضی خاں یا صاحب ہدایہ یا صاحب شرح وقایہ وغیرہ کو اس اختلاف کے لئے انتخاب کر لینا چاہیئے، تاکہ تقلید در تقلید کا سلسلہ شروع ہو جائے مگر تقلیدی دائرہ کے اندر ایسا نہیں کیا جاتا تو کیا معاذ اللہ قرآن و حدیث ہی اس تنگی کے لئے رہ گیا کہ ان کو ایک امتی کی قید میں کر دیا۔؟ کتنے بڑے غضب کی بات ہے کہ ایک امتی کے اقوال پر تو ایک امتی کو قبضہ نہ دیا جائے اور خدا و رسولؐ کے کلام پر ایک امتی کو پورا تسلط دے دیا جائے؟ کیسی بے انصافی ہے؟ خدا سچ فرماتا ہے:۔

وجعلوا لله مما ذرأ من الحرث والانعام نصيبا فقالوا هذا لله بزعمهم وهذا لشركائنا فما كان لشركائهم فلا يصل الى الله وما كان لله فهو يصل الى شركائهم ساء ما يحكمون

تقلید کا نیا معنیٰ

شیطان مقلّد ہے یا غیر مقلّد

مولانا مرتضےٰ حسنؒ دیوبندی کی تقریر

مولانا مرتضےٰ حسن صاحبؒ ناظم تعلیماتِ مدرسہ دیوبند قرآن مجید کے ماننے کو بھی تقلید کہتے ہیں چنانچہ پرچہ "العدل" دہ روزہ جو شہر گوجرانوالہ سے نکلتا رہا جس کے مُدیر مولانا احمد علی صاحب سند یافتہ دیوبند ہیں۔ اس میں مولانا مرتضےٰ حسن صاحب نے تقلید کے متعلق ایک مضمون درج کرایا تھا، اس میں فرماتے ہیں:۔

"قولِ خدا اور حدیثِ رسُولؐ حکم ہے۔ اور حکم امر ہوتا ہے اور دلیل: یہ ادم کو سجدہ کرو یہ حکم اپنے نفس کے لئے دلیل نہیں ہو سکتا جو اس حکم کے واجب التعمیل ہونے کی دلیل ہے وہ یہاں مذکور نہیں۔ اس وجہ سے اس قول کو (جس کے ساتھ واجب التسلیم ہونے کی دلیل ذکر نہیں کی گئی) بلا دلیل تسلیم کرنا تقلید ہے اور شیطان نے اس حکم کو بلا دلیل نہ مانا، غیر مقلد ہو کر کافر و مرتد ہو گیا" انتہیٰ (العدل مؤرخہ، ستمبر ۱۹۲۷ء مطابق۔ ا ربیع الاوّل ۱۳۴۶ھ صفحہ!!)

جواب

شیطان چونکہ بحکم آیۂ کریمہ افرایت من اتخذ الٰھہ ھواہ (الآیہ) اپنی ہوا کا مقلد

ہے۔ اور مولانا مرتضےٰ حسن کو شیطان کا مقلدین کے ساتھ ہونا ناگوار معلوم ہوا۔ اس لئے انہوں نے اس کے غیر مقلد بنانے کی کوشش کی، جس کی صورت انہوں نے یہ اختیار کی کہ تقلید کا معنیٰ بدل دیا۔ یعنی یوں کہا کہ اُس قول کو جس کے ساتھ واجب التسلیم ہونے کی دلیل ذکر نہیں کی گئی۔ بلا دلیل تسلیم کرنا تقلید ہے۔ حالانکہ تقلید کا یہ معنیٰ آج تک کسی نے نہیں کیا۔ یعنی تقلید کی تعریف میں یہ کسی نے شرط نہیں کی کہ قول کے ساتھ اس کے واجب التسلیم ہونے کی دلیل ذکر نہ ہو جبکہ اگر قول کے ساتھ دلیل ذکر ہو مگر وہ سمجھ میں نہ آوے اور اس حالت میں اس قول کو بغیر معرفت دلیل کے تسلیم کر لیا جائے تو فقہاء کی تعریف کے مطابق یہ تقلید ہو گی کیونکہ فقہاء کے نزدیک تقلید کی تعریف یہ ہے کہ بغیر معرفت دلیل کے کسی کا کوئی قول لینا[1]، اور اگر دلیل ذکر نہ ہو مگر قول سنتے ہی دلیل کی طرف ذہن[2] منتقل ہو جائے تو ایسی حالت میں اس قول کا تسلیم کرنا فقہاء کے نزدیک تقلید نہ ہو گی۔ کیونکہ قول کو بغیر معرفت دلیل کے نہیں لیا۔ غرض دلیل کے ذکر و عدم ذکر کو تقلید کی تعریف میں کوئی دخل نہیں۔ قولِ خدا کے واجب التسلیم ہونے کی دلیل چونکہ قائل کا خدا ہونا ہے جس کی طرف ہر ایک کا ذہن فوراً منتقل ہو جاتا ہے اسس شیطان اگر اس کو تسلیم کرتا تو مقلد نہ ہوتا بلکہ نہ تسلیم کرنے کی صورت میں مقلد ہونا لازم آتا ہے۔ چنانچہ شیطان نہ تسلیم کر کے بحکم آیہ کریمہ افرأیت من اتخذ الٰهه هوٰه (الآیة) ہوا کا مقلد ہو گیا۔

مولانا مرتضےٰ حسن اسی مضمون میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:۔

" شیطان لعین یا تو خداوند کے قول اور اس کی حکومت کی وجہ سے اس کے قول کو مطلق

---

[1] تقلید کی تعریف بعض فقہاء نے یہ کی ہے:۔ التقلید اخذ القول من غیر معرفة دلیله (جمع الجوامع لابن السبکی جلد ۲ ص۲۵) بعض نے یہ کی ہے التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجة (مسلم الثبوت ص۲۸۹) التقلید العمل بقول غیرك من غیر حجة (مختصر ابن حاجب مع الشرح جلد ۲ ص۳۰۵) ۱۲

[2] منطقی اصطلاح میں ان کو قضایا قیاساتها معها کہتے ہیں جو بدیہیات کی قسم سے ہے ۱۲

واجب التسلیم نہیں جانتا تھا یا جانتا تھا ۔ مگر یہ شرط تھی کہ وہ قول موجبہ اور حکمت کے موافق ہو، اس کے قول کو عین حکمت نہیں جانتا تھا ورنہ انکار نہ کرتا اور تعمیل بھی کرتا ورنہ اگر تعمیل نہ ہوتی تو انکار تو ضرور نہ ہوتا ۔ اب ارشادِ خداوندی اسجدوا لآدم اس کے نزدیک بے دلیل تھا ۔
اب وہ سجدہ کرتا تو تقلید ہوتی اور تقلید اس کے نزدیک ناجائز تھی لہٰذا وہ ترکِ تقلید کی وجہ سے کافر مرتد سب کچھ ہوا مگر اس نے اس قول کو بلا دلیل تسلیم نہ کیا ۔[1] (حوالۂ مذکور)

جواب

مولانا مرتضےٰ حسن کے خیال میں شیطان باوجود خدا کو خدا ماننے کے اور باوجود فرشتوں کا استاد ہونے کے یہ نہیں جانتا تھا کہ خدا عبث اور بیہودہ سے پاک ہے ۔ غلطی سے مبرّا ہے جس کا قول عین حکمت ہے ۔ دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ شیطان نے انکار کیا ۔ اگر خدا کا قول عین حکمت نہ سمجھتا تو انکار نہ کرتا اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جس نے سرکشی پر کمر باندھی ہو وہ باوجود علم کے بھی انکار پر تلا رہتا ہے ۔ کیا ضد اور ہٹ دھرمی کا بھی کوئی علاج ہے ؟ میرے خیال میں مولوی مرتضےٰ حسن صاحب کے نزدیک شیطان انصاف پرست تھا ۔ تبھی اس کی طرف سے یہ عذر بیان کر رہے ہیں کہ اس کے نزدیک خدا کا قول بے دلیل تھا ۔ معاذ اللہ ۔
یہ تو ایسا ہوا جیسے آج کل کے متصوفہ (بناوٹی صوفی) کہتے ہیں کہ شیطان بڑا موحد تھا ۔ اسی لئے اس نے غیر کو (یعنی آدم کو) سجدہ نہیں کیا گویا خدا نے غلطی کی ۔ نعوذ باللہ ۔
مولانا مرتضےٰ حسن صاحب ! بھلا یہ تو بتلایئے کہ شیطان خدا کو خدا جانتا تھا یا نہ ؟ اگر نہیں جانتا تھا تو مدت تک اس کی عبادت کیوں کرتا رہا ؟ اگر جانتا تھا تو کیا خدا کی خدائی اس کے نزدیک اطاعت کے لئے

---

[1] اسی بنا پر دیکھو ام نے اپنی کتاب تکذیب میں کئی جگہ لکھا ہے کہ حضرت ابلیس رحمۃ اللہ علیہ بڑے موحد تھے ۔ ۱۲

کافی نہیں؟ بڑے تعجب کی بات ہے کہ خدا کی خدائی کو عبادت کیلئے کافی سمجھے، اطاعت کیلئے کافی نہ سمجھے حالانکہ اطاعت کا مرتبہ عبادت سے بہت کم ہے۔ کیونکہ اطاعت تو غیر انبیا کی بھی جائز ہے۔ عبادت غیر کی جائز نہیں۔ اس کے علاوہ اگر طور پر مان لیں کہ شیطان قول خدا کو حکمت کے موافق نہ جانتا تھا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مدلل بھی نہ جانتا ہو۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ محکوم کو حاکم کی اطاعت ضروری ہے اور دلیل اس کی اس کا حاکم ہونا ہے اگر باوجود محکوم ہونے کے کوئی بات حاکم کی مانے کوئی نہ مانے، مثلاً جو اس کے خیال میں معقول اور اس کی سمجھ میں حکمت کے موافق ہو وہ مانے، دوسری کو نہ مانے تو وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اس کو محکوم نہ کہنا چاہیئے کیونکہ محکوم کے معنی میں داخل ہے کہ حاکم کے سامنے سر جھکا دے۔ اور اپنا دخل نہ رکھے۔ اب شیطان کا خدا کے حکم کو تسلیم نہ کرنا، اس کی یا تو یہ وجہ ہوگی کہ اس کے خیال میں خدا حاکم نہیں ہوگا اور یہ بداہتہً باطل ہے کہ شیطان کو خدا کے حاکم ہونے کی خبر نہ ہو یا یہ وجہ ہوگی کہ شیطان کو محکوم کے معنی کا پتہ نہ ہوگا اور اس کا بطلان پہلے سے بھی زیادہ واضح ہے۔ اب سرکشی اور تکبر کے سوا اور کون سی وجہ عدم تسلیم ہو سکتی ہے؟ پھر معاذ اللہ خدا کی شان ایسی نہ تھی کہ شیطان کو واقعی خدا کے حاکم ہونے کا علم نہ ہوتا یا وہ محکوم کے معنی نہ جانتا، تو وہ ارحم الراحمین اُس کو انا خیر منہ کا عذر کرنے پر فرماتا فاخرج منھا یعنی "اس جگہ سے نکل جا" بلکہ پہلے اس کو اس بات سے واقف کرتا جس سے بے علم تھا۔ پھر اس کے بعد اگر وہ نہ مانتا تو جو چاہتا اُس کے ساتھ سلوک کرتا۔ خدا کی ذات اس سے برتر ہے کہ وہ ناواقف کو راندہ دے۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوا کہ شیطان بے خبری میں ہلاک نہیں ہوا بلکہ اس کو سب کچھ پتہ تھا اور آیہ کریمہ ما منعك الا تسجد اذ امرتك میں بھی اسی طرف اشارہ ہے یعنی محکوم کو حاکم کے حکم کی فوراً تعمیل کرنی چاہیئے تھی۔ تجھے اس تعمیل سے کس نے روکا، اگر کوئی اور حکم دیتا تو اس میں شبہ بھی ہو سکتا تھا، حکم تو خود میں نے دیا ہے۔ پھر تعمیل کیوں نہ کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس حکم کی تعمیل نہ کرنے کا اور اس سے انا خیر منہ کہہ کر ٹال دینے کا نام خدا نے سرکشی، تکبر، فسق وغیرہ رکھا ہے۔ جیسے ایک آیت میں فرمایا ففسق عن امر ربّہ

یعنی اپنے رب کے حکم سے نکل گیا اور فاسق ہو گیا" اور دوسری آیت میں فرمایا۔ ابیٰ واستکبروا کان من الکافرین یعنی " انکار کیا اور تکبر کیا اور کافر ہو گیا"

خلاصہ یہ ہے کہ قولِ خدا شیطان کے نزدیک مطلقاً (بغیر شرط) واجب التسلیم تھا۔ کیوں کہ اس کی دلیل اس کے ذہن میں تھی یعنی قائل کا حاکم بلکہ خدا ہونا مگر تکبر کی وجہ سے اس کو تسلیم نہ کیا اور خواہش کے پیچھے لگ گیا۔ اور آیۂ کریمہ ففسق عن امر ربّہ اور آیۂ کریمہ ابیٰ واستکبر وکان من الکافرین وغیرہ بھی اسی مطلب کو ادا کر رہی ہیں جس کا خلاصہ شیخ سعدی کے الفاظ میں یہ ہے ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد ❊ بہ زندانِ لعنت گرفتار کرد

مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب پر یہ تقلید کا اثر ہے کہ اندھا دھند لکھتے چلے جاتے ہیں اور نتائج پر غور نہیں کرتے۔ اس سے بڑھ کر اور سُنیئے۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب لکھتے ہیں:۔

"جس طرح رسول علیہ السلام کی بات کو تسلیم کرنا اُمت کے حق میں تقلید ہے۔ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا باری تعالیٰ کے قول کو بلا دلیل تسلیم کرنا یہ بھی تقلید ہوگا ("العدل" ۴ مارچ ۱۹۲۹ء صفحہ ۳)

گویا مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب کے اعتقاد میں شیطان کی طرح انبیاء علیہم السلام بھی خدا کے قول کو عین حکمت یا حکمت کے موافق نہیں جانتے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ شیطان تسلیم نہ کرنے سے غیر مقلد ہو گیا اور انبیاء علیہم السلام تسلیم کر کے مقلد ہو گئے۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں کس قدر گستاخی ہے کہ معاذ اللہ ان کا اعتقاد شیطان کا اعتقاد بتلایا جاتا ہے۔ سچ ہے ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغِ قبلہ نما آشیانے میں

تعجب

مولانا مرتضےٰ حسنؒ صاحب پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس محل میں اصُول فقہ کی بھی کچھ پروا نہیں کی، اصُولِ فقہ میں صاف لکھا ہے کہ قرآن وحدیث کا ماننا تقلید نہیں۔ چنانچہ تحریر ابن ہمام کے اخیر میں ہے۔ لیس الرجوع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والاجماع منہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور اجماع کی طرف رجُوع کرنا تقلید نہیں" خدا جانے یہ لوگ تقلید کی محبت میں کیوں ایسے سرشار ہیں کہ اپنا اصُول بھی بھول جاتے ہیں۔ ع یکے بر سر شاخ وبُن مے برید والا مضمون ہے یعنی مذہب کے خیر خواہ بن کر مذہب کی بیخ کنی کر رہے ہیں ؎

اے چشمِ اشکبار ذرا دیکھنے تو دے ⁂ ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

بلکہ خود مولانا مرتضےٰ حسنؒ صاحب نے بھی اس کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"اطاعتِ تقلید کے معنی سے عام ہے۔ خدائے قدوس اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو تقلید نہیں کہا جاتا" (العدل" ۱۸ فروری ۱۹۲۹ء ص۳)

"مجتہد کا قول فی نفسہٖ حجتِ شرعیہ نہیں اور خداوند عالم جل مجدہٗ اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول فی نفسہٖ حجتِ شرعیہ ہے" (العدل" ۱۸ فروری ۱۹۲۹ء)

مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب اور مولانا تھانویؒ وغیرہ کی تقلید کے معنی میں حیرانی

ع اُلجھا ہے پاؤں یار کا زُلفِ دراز میں

لُطف کی بات یہ ہے کہ علمائے احناف کے ہاں تقلید کوئی مقرر شے نہیں جیسا موقعہ ہوتا ہے ویسی بنا لیتے ہیں۔ مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب لکھتے ہیں۔

"تسلیم القول بلا دلیل ہی تقلید ہے۔ یعنی کسی کا قول بلا دلیل تسلیم کرنا، مان لینا یہ تقلید ہے (العدل ۵ مارچ ۱۹۲۹ء)

اصُولِ فقہ میں بھی تقلید کی یہی تعریف کی ہے۔ التقلید العمل بقول الغیر من غیر حجّۃ۔ (مسلم الثبوت صفحہ ۲۸۹) (یعنی غیر کے قول پر بغیر دلیل کے عمل کرنا) اس تعریف پر اعتراض پڑتا ہے کہ اس تعریف کے لحاظ سے عامی بھی مقلد نہیں رہتا کیونکہ وہ کسی عالم کے قول کو لیتا ہے تو بغیر دلیل کے نہیں لیتا بلکہ اس لینے پر آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر (الآیۃ) دلیل موجود ہے۔ اسی بنا پر صاحب مسلّم الثبوت فرماتے ہیں۔

لیس الرجُوع الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم والی الاجماع والعامی الی المفتی والقاضی الی العدول بتقلید لقیام الحجۃ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع کی طرف رجُوع کرنا اور عامی کا مفتی سے فتویٰ پوچھنا اور حاکم کا گواہوں کی بات پر اعتماد کرنا یہ تقلید نہیں کیونکہ شریعت میں ان سب پر دلیل موجود ہے اور بات ظاہر ہے کہ جب عامی مقلد نہ رہا تو عالم بطریق اولیٰ نہ رہا۔ پس اس تعریف کے لحاظ سے کوئی بھی مقلد، مقلد نہ رہا۔ ہاں جو جاہل کے پیچھے لگ جائے یا اپنی خواہش کے پیچھے لگ جائے یا کسی عالم کا قول جو قرآن وحدیث کے خلاف ہو، مان لے تو یہ بے شک اس تعریف کی رُو سے مقلد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جاہل کے پیچھے یا خواہش کے پیچھے لگنے کی کوئی دلیل نہیں۔ نہ کسی عالم کا قول خلاف قرآن وحدیث کے ماننے پر کوئی دلیل ہے۔ گویا اس تعریف کی رُو سے تقلید گمراہی کا نام ہے۔

مگر تقلید کے دلدادوں کو یہ کب گوارا تھا، اس لئے اصُول فقہ والوں نے اس کی بجائے دوسری تعریف تجویز کی جو یہ ہے۔ اخذ القول من غیر معرفۃ دلیلہ (جمع الجوامع للسبکی جلد ۲ صفحہ ۳۵۱)۔ (یعنی بغیر پہچاننے دلیل کے کوئی قول لینا) اس تعریف کی رُو سے عامی جو بغیر معرفت دلیل کے عالم کا قول لے وہ بے شک مقلد بن گیا۔

مگر دو اعتراض یہاں اور پڑے۔

ایک یہ کہ جو لوگ ہدایہ وغیرہ پڑھ پڑھا سکتے ہیں اور مناظرہ وغیرہ کر سکتے ہیں وہ مقلد نہ رہے کیونکہ

وہ مسائل کی دلیل جانتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ اگر تقلید مباح ہو تو عدمِ معرفت دلیل بھی مباح ہونی چاہیئے۔ اگر فرض واجب ہو تو فرض واجب ہونی چاہیئے کیوں کہ عدمِ معرفت دلیل اس تعریف کی رُو سے تقلید کا رکن ہے اگر عدمِ معرفت دلیل نہ رہے تو تقلید نہ رہے۔ حالانکہ عدمِ معرفت دلیل کی اباحت کا تو شاید کوئی قائل ہو، فرض واجب ہونے کا تو کوئی بھی قائل نہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ علوم عقلیہ و شرعیہ کا پڑھنا حرام ہو تا کہ کہیں معرفت دلیل نہ ہو جائے۔

اِن اعتراضات سے بچنے کے لئے آج کل کے مقلدین نے اصُولِ فقہ والوں کو چھوڑ کر نئی تعریفیں گھڑنی شروع کیں۔ چنانچہ مولانا مرتضےٰ حسن صاحب اپنے اسی مضمون میں لکھتے ہیں:۔

اگر آپ کے بیان کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی لازم نہیں آتا کہ تقلید کی صورت میں علوم عقلیہ، شرعیہ کا پڑھنا حرام ہو کیونکہ جس جس مسئلہ کی دلیل پڑھتا جائے گا اُسی مسئلہ میں بجائے مقلد کے مجتہد یا غیر مقلد ہوتا جائے گا۔ مقلد جب تک مقلد رہے گا اُسے دلیل کا علم نہ ہوگا اور جب غیر مقلد یا مجتہد ہوگا تو دلیل کا علم ہوتا جائے گا۔ زمانہ علم و عدمِ علم ایک نہیں بلکہ دو ہیں۔

بے علم کے لئے تقلید واجب اور ضروری ہے نہ حرام۔ اگر مقلد کے لئے یہ بھی واجب ہوتا کہ وہ ہمیشہ مقلد ہی رہے۔ تب بے شک یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ تعلیم علوم شرعیہ عقلیہ اس کے لئے حرام ہو۔ غیر طبیب کے لئے یہ ضروری ہے کہ خود اپنا علاج نہ کرے مگر اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس مرتبہ کو حاصل نہ کرے تاکہ طب پڑھنا اُس کے لئے حرام ہو۔ بے علم کے لئے تقلید ضروری ہے، نہ بے علم رہنا ضروری ہے۔ مجتہد نہ ہو تو تقلید کرے اور جب مجتہد ہو جائے تقلید چھوڑ دے۔ اور اگر بعد مجتہد ہونے کے بھی اس کا اجتہاد یہی ہو کہ وہ مقلد رہے تو باوجود علم و درجہ اجتہاد مقلد ہی رہے گا۔" انتہٰی مختصراً۔

("العدل"، جون ۱۹۲۷ء مطابق ۹ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ)

اس عبارت کے دو حصے ہیں۔ چنانچہ دونوں پر ہم نے نمبر دے دیئے ہیں۔ پہلے حصہ میں آپ نے تسلیم کیا ہے کہ مقلد جب تک مقلد رہے گا اُسے دلیل کا علم نہ ہوگا تو گویا تقلید کو عدم معرفت دلیل لازم ہے۔ پس اس صورت میں دونوں اعتراض جو دوسری تعریف پر تھے بدستور رہے۔ دوسرے حصہ میں مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ نے تصریح کی ہے کہ تقلید ضروری ہے، بے علم رہنا ضروری نہیں اور تقلید بھی ہمیشہ ضروری نہیں بلکہ بے علمی کی صورت میں ضروری ہے۔ عالم ہونے کے بعد اگر اس کا اجتہاد مقلد رہنے کی بابت ہو تو مقلد ہے ورنہ غیر مقلد ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا

اس سے معلوم ہوا کہ تقلید کے ساتھ بے علمی یعنی عدم معرفت دلیل کا ہونا ضروری نہیں بلکہ علم اور معرفت دلیل کے بعد بھی تقلید ہو سکتی ہے۔ پس اس صورت میں تقلید کی تعریف یہ ہوئی کہ غیر کا قول لینا خواہ معرفت دلیل کے ساتھ لے یا بغیر معرفت دلیل کے۔ لیکن اس تعریف پر لازم آتا ہے کہ دنیا میں مجتہد کا وجود بھی نہ رہے بلکہ سب مقلد ہوں کیونکہ سب غیر کا قول لیتے ہیں، یہاں تک کہ رسول بھی خدا کا قول لیتا ہے۔ پس صرف خدا کی ذات غیر مقلد یا مجتہد ہوئی یا شیطان غیر مقلد یا مجتہد ہوا[1]۔ باقی سب مقلد ہوئے۔ خواہ ائمہ اربعہ ہوں یا کوئی اور ہو۔

ہاں اگر غیر کے قول کی دو صورتیں بنائیں۔

ایک یہ کہ استنباط کے بعد غیر کے قول کا علم ہو۔

---

[1] شیطان کے حواریوں میں آپ مختار ہیں خواہ ان کو مجتہد کہئے یا شیطان کے مقلد لیکن ظاہر ثانی صورت ہے۔

دوسرے بغیر استنباط کے۔

اور پہلی صورت والے کو مجتہد کہیں اور دوسری والے کو مقلد، تو اس وقت بے شک دنیا میں مجتہد کا وجود عام پایا جائے گا مگر اس صورت میں یہ خرابی لازم آئے گی کہ انبیاء علیہم السلام مقلد ہوں اور ان کی امتوں میں مجتہد۔ حالانکہ دنیا مجتہدوں کو بڑا سمجھتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر تقلید کی یہ تعریف ہو تو یہ محض مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کی من گھڑت ہوگی۔ اُمت میں آج تک اس کا کوئی قائل نہیں گذرا، جیسے کوئی یہ کہہ دے کہ قرآن کا ماننا میرے نزدیک اجتہاد ہے اور حدیث کا ماننا تقلید ہے۔ اسی طرح اس کو سمجھ لینا چاہیئے۔ پس اس قسم کے اعتراضات سے بچنے کے لئے مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے دوسری تعریف کی مگر اصول فقہ والوں نے جو تعریف کی ہے اُس کو بھی ثابت رکھا ہے۔ چنانچہ صاحب مُسلّم الثبوت کی تعریف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

میں تسلیم نہیں کرتا کہ صرف یہی معنیٰ ہیں بلکہ تقلید کے یہ معنیٰ بھی ہیں[1] کہ غیر کا قول تسلیم کرنے میں دلیل کا محتاج نہ ہو۔ تسلیم قول غیر دلیل پر موقوف نہ ہو۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ تمام علماء مقلدین جن میں بڑے بڑے حفاظ حدیث بھی شامل ہیں اور آج کل ہزار ہزار غیر مقلدوں سے مل کر ایک ایک مقلد عالم حدیث اور تفسیر میں زاید ہے۔ اور پھر بھی وہ اپنے آپ کو مقلد ہی کہتے آئے اور دنیا بھی ان کو مقلد ہی کہتی ہے۔ چنانچہ آج تک بڑے بڑے علماء جو ائمہ اربعہ کے مقلد ہیں وہ مقلد ہی کہے جاتے ہیں۔ اس واسطے تقلید کے یہ معنیٰ بھی ہیں جو ابھی مذکور ہوئے۔ لا مناقشۃ فی الاصطلاح ۔ اسی بناء پر مقلد کو دلیل کا علم ہونا بایں معنیٰ منافی تقلید نہیں۔" انتہیٰ ("العدل"، ۷ جون ۱۹۲۷ء مطابق ۶ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ صفحہ ۵)

---

[1] اگر اس کی عربی بنائیں تو یوں ہوگی ان لا یحتاج الی الدلیل فی قبول قول الغیر ان لا یتوقف قبول قول الغیر علی الدلیل۔ ۱۲ فتامل فیہ

ناظرین مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ کا سادہ پن ملاحظہ فرمائیں کہ اعتراضات سے بچنے کے لئے تقلید کا نیا معنیٰ بھی کر رہے ہیں اور اصولیوں کا معنیٰ بھی تسلیم کر رہے ہیں اور یہ خیال نہیں کیا کہ جب اصولیوں کا معنی بھی مُسلّم ہے تو اعتراضات بدستور رہے اور نیا معنیٰ فضول ہوا۔ پھر نئے معنے کرنا ان کے پہلے قول کے خلاف ہے۔ جو صفحہ ۷ میں گذرا ہے کیونکہ اس میں حصر کے ساتھ کہا ہے کہ تسلیم القول بلا دلیل ہی تقلید ہے۔ پس جب تسلیم القول بلا دلیل میں تقلید کا حصر ہو گیا تو اب یہ کہنا کیوں کر صحیح ہو گا کہ میں تسلیم نہیں کرتا کہ صرف یہی معنی ہیں۔ الخ

پھر اس نئے معنیٰ کے ثبوت میں جو دلیل پیش کی ہے اس میں بھی غلطی کی ہے۔ امام شعرانیؒ نے میزان میں اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ وغیرہ میں تصریح کی ہے کہ بعض بڑے بڑے علماء حفاظ حدیث کو حنفی شافعی وغیرہ کہا جاتا ہے تو مقلد ہونے کی وجہ سے نہیں کہا جاتا بلکہ کثرت موافقت کی وجہ سے یا گذشتہ کسی زمانہ میں مقلد ہونے کی وجہ سے (یا شاگردی کے تعلق کی وجہ سے) یا اس قسم کے اور کئی اسباب ہیں۔ ان کی وجہ سے کسی امام کی طرف نسبت کر دیتے ہیں۔ ورنہ وہ مقلد نہیں ہوتے۔ چنانچہ رسالہ تعریف اہل الحدیث[1] کے صـ۶۳ اور صـ۸ میں اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔

مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ! یہ تو آپ مانتے ہیں کہ تقلید کا مقابل اجتہاد ہے۔ جب تقلید کے معنی ہوئے قول غیر کا لینا دلیل پر موقوف نہ ہو تو اجتہاد کے معنی ہوئے، قول غیر کا لینا دلیل پر موقوف ہو پس جو شخص غیر کا قول بغیر دلیل کے نہ لے وہ مجتہد ہوا۔ پس آپ کے خیال کے مطابق شیطان اوّل مجتہد ہوا تو اگر غیر مقلد اس وجہ سے بُرے ہیں کہ اوّل غیر مقلد شیطان ہے تو مجتہد بھی بُرے ہیں۔ کیوں کہ اوّل مجتہد شیطان ہے۔ اور جب معاذ اللہ مجتہد بُرے ہوئے تو اُن کے مقلد کون ہوئے؟ شیطان کے مقلد یا نہ؟ یہ اچھا ہوا کہ غیر مقلدوں کو بُرا کہتے کہتے مجتہدوں پر بھی ہاتھ صاف کر گئے اور اپنے آپ کو بھی شیطان کا مقلد بنا گئے۔

اے چشم اشکبار ذرا دیکھنے تو دے ٭ ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو

[1] یہ عنقریب قارئین کے ہاتھوں میں ہوگا۔ ان شاء اللہ

تعجّب

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں۔ حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی (میزان شعرانی جلد اول ص) یعنی "جو میری دلیل نہ پہچانے اس کو میرے قول پر فتویٰ دینا حرام ہے"۔ دیکھئے! امام ابوحنیفہؒ قول غیر کو لینا دلیل پر موقوف بتلاتے ہیں۔ مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب۔ ان کی مخالفت کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ بتلائیے! آپ مقلد ہوئے یا غیر مقلد؟ اور شیطان سے دوہرا رشتہ کس کا ہوا یعنی مقلد اور غیر مقلد ہونے کی وجہ سے شیطان سے کون ملا ؎

جو کہنا ہے سو کہہ لیکن سمجھ کر مرد نعمانی ❊ چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اس کے علاوہ

ہم کہتے ہیں کہ جب کسی امام سے آیت و حدیث کا خلاف ہو جائے جیسے امام مالکؒ موطاء میں کہتے ہیں کہ چھ روزے شوال کے مکروہ ہیں۔ حالانکہ حدیث میں ان کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اور عقد الجید کے صفحہ ۸۲ میں لکھا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک کُسم (کُسمبا) کا رنگا ہوا کپڑا جائز ہے۔ حالانکہ حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ اس طرح کے بہتیرے مسائل ہیں جن میں اماموں سے غلطی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ تھوڑی سی تفصیل ہم رسالہ تعریف اہلحدیث حصہ دوم میں کر چکے ہیں اور یہاں صفحہ ۵، ۶۰ میں بھی گذر چکی ہے تو اس صورت میں امام کے قول پر عمل ہوگا یا آیت و حدیث پر۔ اگر امام کے قول پر عمل ہو تو قرآن و حدیث ہاتھ سے جاتا ہے۔ اگر آیت و حدیث پر عمل ہو تو مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب کا یہ کہنا غلط ہوتا ہے کہ تقلید کے یہ معنی بھی ہیں کہ تسلیم قول غیر دلیل پر موقوف نہ ہوئی بلکہ معرفتِ دلیل کے بعد بھی بدستور تقلید قائم رہی تو دلیل کے مخالف ہونے کے وقت دلیل کی اتباع نہ ہوئی، پس جب معرفت دلیل کے بعد موافقت کی صورت میں امام کا قول لیا جاتا ہے اور مخالفت کی صورت میں ترک کیا جاتا ہے تو اس سے صاف نتیجہ نکلا کہ دار و مدار دلیل پر ہے۔

پس مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب کے تقلید کے معنی بالکل غلط ہو گئے۔ ہاں جو ذات معصوم ہو۔ اور اس کا قول غلطی سے پاک ہو جیسے قولِ خدا یا قولِ رسولؐ تو اس کی بابت اگر مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب کا یہ دعویٰ ہوتا کہ اس کا تسلیم کرنا دلیل پر موقوف نہیں تو شاید کوئی سیدھا سادہ دھوکا کھا جاتا کہ واقعی قولِ خدا اور قولِ رسولؐ بے دلیل ہی ماننا پڑتا ہے مگر اس صورت میں یہ خرابی لازم آتی کہ نزاع تو اماموں کی تقلید میں ہے۔ خدا و رسولؐ کا کلام ماننے میں تو کسی کا جھگڑا ہی نہیں۔ صرف اتنی بات ہے کہ ہم خدا و رسولؐ کے قول کی دلیل خدا کا خدا ہونا اور رسول کا رسول ہونا کہتے ہیں اور اسی لئے اس کا نام اتباع رکھتے ہیں اور مولانا مرتضیٰ حسنؒ کے نزدیک یہ تقلید ہے۔ کیونکہ ان کو کچھ شیطان کی طرفداری منظور ہے کہ اس نے اپنے خیال میں قولِ خدا بے دلیل ہونے کی وجہ سے نہیں مانا، اگرچہ اس سے مخالفین کو اعتراض کا موقعہ ملتا ہے کہ شیطان بیچارے نے تقلید کی اندھیری کوٹھڑی سے دلیل کی روشنی میں آنا چاہا مگر خدا نے اسی سبب سے اس کو لعنت کر دی۔ معاذ اللہ۔ لیکن مُلّا کو اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے، مُردہ جنت میں جائے یا جہنم میں، مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب کا مقصود شیطان کو غیر مقلد بنا کر اہلحدیث کے ساتھ شامل کرنا ہے خواہ اصلی نزاع یعنی اماموں کی تقلید سے دور ہی جا پڑیں اور مخالفوں کے اعتراضات کا حلقہ کتنا ہی وسیع ہو جائے، مگر شیطان کو غیر مقلد بنا دیں گے۔ لیکن اصلی بات ہم ناظرین کے سامنے عرض کر چکے ہیں کہ خدا کے قول کا ماننا نہ شیطان کے نزدیک تقلید ہے نہ اصول، فقہ میں اس کو تقلید کہا ہے، نہ اہلحدیث اس کا نام تقلید رکھتے ہیں۔ یہ صرف مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب کی من گھڑت اصطلاح ہے۔ سچ ہے ؎

کوئے جاناں سے خاک لادیں گے ❊ اپنا کعبہ الگ بنا دیں گے

مولانا مرتضیٰ حسنؒ کو اس بات کا بڑا شوق ہے کہ کسی طرح شیطان غیر مقلد بن جائے اس کی خاطر انہوں نے تقلید کی ایک اور تعریف کی ہے، جو یہ ہے:۔

" اس قول کو جس کے ساتھ واجب التسلیم ہونے کی دلیل ذکر نہیں کی گئی بلا دلیل تسلیم کرنا

تقلید ہے"۔

اس تعریف کی رُو سے شیطان کا مقلد یا غیر مقلد بننا اس پر پوری بحث صفحہ ۲۰ تا ۹۰ میں گذر چکی ہے۔ وہاں ہم بتلا چکے ہیں کہ اس قول کے ساتھ دلیل ذکر ہونے کی قید فضول ہے۔ اس کے علاوہ اس میں بلا دلیل تسلیم کرنے کی قید ہے جیسے مُسَلَّمُ الثبوت کی تعریف میں مِنْ غَیْرِ حُجَّۃٍ کی قید ہے۔ پس اس پر وہ اعتراضات بھی ہیں جو مُسَلَّم الثبوت کی تعریف پر ہیں۔

مولانا مرتضیٰ حسنؒ اصل میں حیران ہیں، اس لئے کبھی کوئی تعریف کرتے ہیں، کبھی کوئی کہتے ہیں تسلیم القول بلا دلیل ہی تقلید ہے۔ چنانچہ ص۹ میں گذرا ہے اور کبھی اس میں دلیل کے ذکر نہ ہونے کی قید بڑھا دیتے ہیں اور کبھی کہتے ہیں: میں تسلیم نہیں کرتا کہ صرف یہی معنی ہیں بلکہ تقلید کے یہ معنی بھی ہیں کہ غیر کا قول تسلیم کرنے میں دلیل کا محتاج نہ ہو۔ تسلیم قول غیر دلیل پر موقوف نہ ہو" انتہیٰ۔

تقلید کی تعریف میں مولانا تھانویؒ کا اضطراب

مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بھی ایک حالت نہیں۔ الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد کے ص۵ میں تو فقہاء کی دوسری[1] تعریف کہ (بغیر معرفت دلیل کے قول لینا) کے قریب لکھتے ہیں، فرماتے ہیں:۔

"تقلید کہتے ہیں کسی کا قول محض اس حسنِ ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلا دے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا" انتہیٰ

اور الاقتصاد کے ص۵۳ میں مولانا مرتضیٰ حسن کی اخیری تعریف کے موافق لکھتے ہیں فرماتے ہیں:۔

---

[1] فقہاء کی دوسری تعریف صـ۸۵ میں بحوالہ جمع الجوامع گذر چکی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں اخذ القول من غیر معرفۃ دلیلہ - ۱۲

"مقلد محض تبرعاً (یعنی ایک زائد امر سمجھ کر) دلیل بیان کرتا ہے" انتہیٰ۔

دلیل کو ایک زاید امر سمجھنا اس کا یہی مطلب ہے کہ تسلیم قولِ غیر دلیل پر موقوف نہ ہو۔

ایڈیٹر "العدل" کی ایک اور تعریف

چونکہ یہ تعریف صحیح نہیں، چنانچہ صفحہ ۸۳ میں ابھی تفصیل ہوئی ہے۔ اس لئے مولانا احمد علی صاحبؒ اڈیٹر "العدل" نے ایک اور تعریف تجویز کی ہے۔ حالانکہ مولانا احمد علیؒ صاحب نے مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب کے مضمون مذکورہ بالا کی تعریف میں آسمان و زمین کے قلابے ملا دیئے ہیں۔ مگر پھر جلدی اس سے قطع تعلق کر لیا۔ چنانچہ ۱۰ صفر ۱۳۴۶ھ کے پرچہ میں اُن لوگوں پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں جو کہتے ہیں کہ تقلید میں بے علمی اور جہل داخل ہے۔

"تقلیدِ شرعی حقیقی نفس الامری علم کا نام ہے لیکن چونکہ تعصب میں اکثر انسان دیانت وغیرہ کا لحاظ نہیں رکھتا۔ اس لئے تقلید کے تصدیقِ علم ہونے پر کسی ایسی دلیل کی ضرورت ہے جس کے بعد مخالفین کو چوں چرا کی گنجائش نہ رہے۔ اہلِ منطق تقلید کی تعریف یُوں کرتے ہیں۔ هو الاعتقاد الجازم للواقع ۔ اور اربابِ علم کے نزدیک اسی مفہوم کی یُوں تعبیر کی جاتی ہے۔ تسلیم قول الغير بلا دليل۔

اب ادنیٰ تأمل سے واضح ہو جاتا ہے کہ دونوں عبارتوں کا مطلب ایک ہے۔ کیوں کہ تسلیم اور اعتقاد دونوں لفظ ایک مفہوم ادا کر رہے ہیں۔ اسی طرح جیسے تقلیدِ منطقی میں علم پختہ اور واقعی ہے۔ اسی طرح تقلیدِ شرعی میں چونکہ مجتہد پر مقلد کو پُورا اعتماد ہوتا ہے۔ لہٰذا مجتہد کا قول اس کے نزدیک واقعی ہوتا ہے۔ اور اس کا علم بھی نفس الامر کے مطابق ہوتا ہے۔ پھر جس طرح تقلیدِ منطقی میں تشکیک مشکک سے زائل ہو جانے کا امکان ہے۔ اسی طرح تقلیدِ شرعی میں گو امام کا قول مقلد کے لئے دلیل ہے۔ جب امام کے قول کا ماخذ مقلد کو معلوم نہیں جو امام کے نزدیک اس قول کی دلیل تھا۔ بنا بریں مقلد کے نزدیک بھی باعتبار المجتهد

یخطی ویصیب اس تسلیم واعتقاد کا زائل ہونا ممکن ہے۔ اب اس عبارت میں ادنیٰ غور کرنے سے کسی حق پرست اور دیانت شعار کو یہ جرأت نہیں رہ جاتی کہ وہ یوں کہے کہ تقلید علم نہیں بلکہ جہل ہے۔ ہاں رہی ضد اور ہٹ دھرمی، سو اس کا کوئی علاج نہیں۔ اس کے بعد ہم اہلحدیث پر تقلید کی کیفیت ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ توجہ فرماویں۔

تقلید کے یہ معنی نہیں کہ مقلد ہر مسئلہ پر اس لئے عمل کرے کہ یہ امام کا قول ہے کیونکہ یہ عمل اُمت میں آج تک کسی نے نہیں کیا بلکہ تقلید کا یہ مطلب ہے کہ کسی مسئلہ پر جب قرآن وحدیث میں صریح دلیل نہ ہو اور انسان کو استنباط کا ملکہ بھی حاصل نہ ہو تو وہ امام کے قول پر عمل کرے کیونکہ ائمہ دین کو اسلام کی رعایت ہم سے زیادہ تھی، لہٰذا ان کے تمام اقوال کتاب سنت سے مستنبط ہیں اگر ہمیں ان اقوال کا ماخذ معلوم نہیں تو اس کا یہ نتیجہ نہیں کہ امام کے نزدیک بھی ان کا کوئی ماخذ نہیں۔ دوسری صورت تقلید کی یہ ہے کہ ایک مسئلہ میں چند مختلف احادیث وارد ہیں اور امام اپنے ملکہ خداداد سے ایک کو ترجیح دیتا ہے۔ پس مقلد امام کی اس ترجیح دی ہوئی حدیث پر عمل کرتا ہے گو اس کو کم علمی سے وجہ ترجیح معلوم نہ ہو۔ انتہیٰ، ملخصاً "العدل" ۸ صفر ۱۳۴۶ھ مطابق ۷ اگست ۱۹۲۶ء۔

مولانا احمد علی صاحب نے تقلید کی جو دو صورتیں بتلائی ہیں ان کے لحاظ سے تقلید کی تعریف یہ ہوئی ملکۂ استنباط نہ ہونے کے وقت جو مسئلہ قرآن وحدیث میں صریح نہ ہو، اس میں کسی امام کے قول پر عمل کرنا جس کا ماخذ ہمیں معلوم نہیں یا دو حدیثوں میں تعارض کے وقت وجہ ترجیح نہ معلوم ہونے کی صورت میں کسی امام کی ترجیح دی ہوئی حدیث پر عمل کرنا۔

اس تعریف میں بھی عدم معرفت دلیل ماخوذ ہے کیونکہ ماخذ کا علم نہ ہونا یا وجہ ترجیح کا علم نہ ہونا یہ وہی عدم معرفت دلیل ہے اور ملکہ استنباط نہ ہونے سے بھی مولانا احمد علیؒ صاحب کی یہی مراد ہے پس اس پر بھی وہی اعتراض پڑا جو دوسری تعریف پر ہے۔[1]

---

[1] مقابل نمبر ۱۲ ـ

اور مولانا احمد علیؒ صاحب نے جو کہا ہے کہ تقلید علم کی قسم ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں عدم معرفت دلیل نہ ہو کیونکہ تقلید میں دو شے ہیں۔ ایک قول امام ایک اس کی دلیل۔ قول امام کا علم ہوتا ہے، معرفت دلیل نہیں ہوتی۔

مولانا احمد علیؒ صاحب نے کئی ایک غلطیاں اور بھی کی ہیں۔ تقلیدِ اصُولی میں اعتقادِ جازم کی قید بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جزم کے معنی ہیں غلطی کا ذرا سا بھی شبہ نہ ہو اور مجتہد کے قول میں برابر شبہ رہتا ہے۔ اسی لئے مشہور ہے "المجتہد یخطی ویصیب" یعنی کئی دفعہ مجتہد کا قول غلط اور خلاف واقعہ ہوتا ہے اور اسی وجہ سے مولانا اشرف علی صاحبؒ الاقتصاد کے صفحہ میں تقلید کی تعریف یُوں کرتے ہیں۔

"کسی کا قول محض اس حُسن ظن پر مان لینا کہ یہ دلیل کے موافق بتلا دے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔"

دیکھئے اس تعریف میں ... حُسن ظن کی تصریح کر دی ہے پس وہ ظن کے درجہ میں ہے۔ اسی طرح تقلیدِ منطقی میں المطابق للواقع کی قید بالکل غلط ہے۔ شرح تہذیب ہی میں یہ مسئلہ سمجھا دیا جاتا ہے کہ نسبت سے سات قسم کا علم متعلق ہوتا ہے جن سے چار قسم تصور ہیں۔ تخییل۔ شک۔ وہم اور چار تصدیق ہیں ظن۔ تقلید۔ جہل مرکب۔ یقین اور ان چار سے تقلید کی تعریف۔ یہ ہے الاعتقاد الجازم الزائل بتشکیک المشکک یعنی پکا اعتقاد لیکن نہ ایسا پکا کہ کسی کے شک کرنے سے زائل نہ ہو۔ بلکہ زائل ہو سکے۔ اس میں واقعہ کے مطابق کی کوئی شرط نہیں۔ خدا جانے دیوبند میں کوئی نئی منطق ہو گی۔ جس میں یہ شرط کتب مروجہ میں تو ہم نے نہیں پائی۔ پھر لطف کی بات یہ ہے کہ ارباب اصُول کی تقلید میں بھی یہ شرط لگا دی۔ حالانکہ امام کا قول ہمیشہ واقع کے مطابق نہیں ہوتا۔ بلکہ بہت دفعہ خلاف ہوتا ہے اسی لئے مشہور ہے المجتہد یخطی ویصیب۔ اس کے علاوہ یہ ایک موٹی بات ہے کہ دو اماموں کا جب اختلاف ہو۔ ایک کہتا ہے، کُتّا بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنے سے پاک ہو جاتا ہے جیسے کتبِ فقہ حنفیہ میں

ہے۔ دوسرا کہتا ہے نہیں تو دونوں سے ایک ضرور غلطی پر ہے۔ اور اصولِ فقہ میں یہ مسئلہ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان ہے کہ ہر مجتہد مصیب نہیں یعنی کئی دفعہ اس کا قول غلط اور خلافِ واقعہ ہوتا ہے تو پھر تقلید میں مطابقت واقعہ کی قید کیونکر صحیح ہوگی ؟ خدا جانے یہ لوگ فاضل دیوبند کس طرح بن جاتے ہیں یا دیوبند کی تعلیم ہی ایسی ہوگی۔ غالباً اسی وجہ سے مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب ورطہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مضمون میں جو تقلید کے متعلق اور شیطان کے غیر مقلد ہونے کے متعلق لکھا ہے۔ بہت غلطیاں کی ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں البتہ بطور نمونہ چند پر اکتفاء کرتے ہیں جن میں اُن کے سترہ سوالوں کے جوابات بھی ہو جائیں جو اس مضمون میں انہوں نے اہلحدیث پر کئے ہیں اور جو ان کے خیال میں زبردست سوال ہیں۔ لکھتے ہیں۔

"میں نے شیطان کو پہلا غیر مقلد کہا ہے۔ اگر شیطان غیر مقلد نہیں تو یہ فرمایا جائے کہ کس کا مقلد ہے ؟ اور اگر پہلا غیر مقلد نہیں تو جو پہلا غیر مقلد ہو، اس کے نام و نشان مفصل پتہ سے مطلع فرمایا جائے۔ میں تو سائل ہوں۔ سائل پر خفا ہونے کی کیا وجہ ہے ؟ تقلید اور عدم تقلید۔ مقلد اور غیر مقلد نقیضین ہیں یا ان میں نسبت عدم ملکہ کی ہے۔ بہر حال شیطان ایک تو ضرور ہوگا یا ارتفاع بھی جائز ہے تو پھر یہ کس طرح اور ان میں کونسی نسبت ہے ؟ یہ بھی فرما دیجئے کہ غیر مقلد کے اور کوئی جدید معنی آپ تجویز فرمالیں۔ تب بھی بمعنی رفع تقلید مطلقاً یا من شانہ التقلید کے تو شیطان غیر مقلد ضرور ہی ہوگا کیوں کہ ارتفاع نقیضین بھی ممتنع اور موضوع کا عدم اور ملکہ سے خلو بھی محال ہے۔" انتہیٰ ملخصاً،

(العدل نمبر ۲۳ مؤرخہ ۱۷ محرم ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۲۷ء)

جواب

ناظرین خیال فرمائیں کہ مقلد غیر مقلد کا نقیضین ہونا بھی جائز رکھتے ہیں۔ پھر پہلا غیر مقلد شیطان کو

سمجھتے ہیں۔ ان کو اتنی خبر نہیں کہ نقیضین سے تو کوئی شے خالی نہیں ہوتی، تو اس لحاظ سے خدا بھی کسی میں داخل ہونا چاہیئے۔ پس اس بناء پر پہلا غیر مقلد خدا ہوا، یا ممکن ہے ضد میں مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ خدا کو بھی مقلد کہہ دیں۔ لیکن دیکھیئے کس کا مقلد کہتے ہیں۔

اور اگر مقلد غیر مقلد میں تقابل عدم ملکہ ہو تو اس بناء پر بھی شیطان پہلا غیر مقلد نہیں بلکہ پہلا مقلد بنتا ہے چنانچہ صفحہ ۹۰ تا ۹۱ میں اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔ اور وہاں یہ بھی گذر چکا ہے کہ خدا کے حکم کی دلیل خود اس کی خدائی ہے اس بناء پر پہلا غیر مقلد قلم ہوا، کیونکہ حدیث میں ہے کہ اللہ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کر کے کہا کہ لکھ، سو اس نے خدا کے حکم کے مطابق سب کچھ لکھا، (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ)

لیکن یہ گفتگو مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب کی روش کے موافق تھی۔ اب اصل بات سنیئے۔ اگر مقلد غیر مقلد نقیضین ہوں تو پہلا غیر مقلد خدا بنتا ہے اور اگر عدم ملکہ ہو تو اس میں تفصیل ہے کیونکہ تقلید کا معنی ایک نہیں جیسا معنی ہوگا ویسا ہی حکم ہوگا۔ مثلاً فقہاء کے نزدیک خدا و رسول کی بات کو ماننا تقلید نہیں کیونکہ ان کے نزدیک خدا و رسول کی بات خود دلیل ہے۔ چنانچہ صفحہ ۷۹ میں گذر چکا ہے۔ تو اس بناء پر شیطان غیر مقلد تو بن نہیں سکتا کیونکہ اس نے دلیل کو چھوڑا۔ رہا مقلد بننا تو اس کے لئے اگر وہ صورت اختیار کی جائے جو صفحہ ۸۴ میں گذر چکی ہے تو نفس اور ہوا کا مقلد بن جائے گا ورنہ مقلد بھی نہیں ہوگا پس وہ تقلید عدم تقلید دونوں سے باہر ہوگا۔ اسی طرح اگر تقلید کا معنی وہ کیا جائے جو مولانا احمد علی صاحبؒ نے کیا ہے تو اس صورت میں بھی شیطان تقلید عدم تقلید سے باہر ہوگا کیوں کہ وہ اس معنی کے موضوع ہونے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ اور اگر مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ والے معنی لیں تو وہ تین ہیں جو صفحہ ۸۶ تا ۸۸ میں گذر چکے ہیں۔ ایک تو وہی فقہاء والا ہے اس کے لحاظ سے تو شیطان کا مقلد غیر مقلد ہونا معلوم ہو چکا، دوسرا بھی اس کے قریب ہے۔ تیسرے معنی کے لحاظ سے خدا کا غیر مقلد ہونا لازم آتا ہے چنانچہ صفحہ ۸۲ میں گزر چکا ہے۔

اور اگر تقلید سے مراد تقلید شخصی لیں جو متنازعہ فیہ ہے یعنی ایک معین امام کے مذہب کا التزام کرنا

جیسے آج کل مقلدین کا دعوٰے ہے تو اس کے لحاظ سے بھی شیطان نہ مقلد ہے نہ غیر مقلد۔ ہاں مقلدین تین اماموں کے لحاظ سے غیر مقلد ہیں۔ پس اس بناء پر مقلدین کے غیر مقلد ہونے کو ترجیح ہوئی۔ اس لئے ان کو چاہیئے کہ اپنا نام غیر مقلد رکھوائیں۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ مولانا مرتضٰی حسن صاحبؒ نے تقلید کی بحث کو کیسے گڑبڑ کیا ہے۔ معقول کی طرف جاتے ہیں تو غلطیاں کرتے ہیں، منقول کی طرف جاتے ہیں تو بھی غلطیاں کرتے ہیں۔ نہ علومِ عالیہ سے نسبت نہ علومِ آلیہ سے۔ نہ "جائے ماندن نہ پائے رفتن" والا معاملہ ہے۔

ابھی اور سنیئے! منتخب کنزالاعمال جلد اوّل صفحہ ۱۹۰ میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے۔ لاتقیسوا الدین فان الدین لایقاس واول من قاس ابلیس (یعنی دین کو قیاس نہ کرو کیونکہ دین قیاس نہیں کیا جاتا اور پہلا شخص جس نے قیاس کیا ابلیس تھا)

اور اعلام الموقعین جلد اوّل صـ۹۲ میں بحوالہ الطحاوی محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے اَوَّلُ مَنْ قَاسَ اِبْلِیْسُ فَھَلَکَ (یعنی پہلے جس نے قیاس کیا ابلیس تھا، پس ہلاک ہوگیا) اور صفحہ ۹۳ میں بحوالہ بغوی جعفرؒ سے روایت کیا ہے: اَوَّلُ مَنْ قَاسَ اِبْلِیْسُ اِذْ اُمِرَ بِالسُّجُوْدِ لِاٰدَمَ فَقَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (یعنی پہلا وہ شخص جس نے قیاس کیا ابلیس ہے۔ اللہ نے اُس کو سجدہ کا حکم دیا۔ اُس نے کہا میں آدم سے بہتر ہوں۔ مجھے تو نے آگ سے بنایا اور اس کو مٹی سے بنایا)

مولانا مرتضٰی حسن صاحبؒ اپنے مضمون میں اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اول من قاس ابلیس یعنی سب سے پہلا قیاس شیطان نے نہیں کیا بلکہ قرآن مجید سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سب میں پہلے قیاس کرنے والے ملائکہ ہیں۔ ملائکہ نے (خدا کے سامنے) عرض کیا کہ جو شخص زمین میں خون ریزی کرے اور فساد کرے اس کو آپ پیدا کریں گے؟ یعنی بنی آدم زمین پر خون ریزی اور فساد کریں گے اور جو ایسا ہو اس کو پیدا کرنا

مناسب نہیں تو آدم علیہ السلام کو پیدا کرنا بھی مناسب نہیں۔ یہ تھا ملائکہ کا قیاس جو ابلیس کی ترک تقلید سے بہت پہلے متعلم کیونکہ یہ آدم علیہ السلام کے وجود سے پہلے کا قصہ ہے اور سجدہ کا حکم پیدا کرنے کے بعد ہوا۔ پس واضح ہوگیا کہ سب سے پہلے قیاس کرنے والے ملائکہ ہیں نہ شیطان۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان قیاس کرنے والوں کو ان کی غلطی پر متنبہ فرما کر تقلید کا حکم دیا۔ اور یوں فرمایا انی اعلم مالا تعلمون یعنی جس چیز کو تم نہیں جانتے ہو اُس کو میں جانتا ہوں اور نہ جاننے والے کو جاننے والے کے قول کو بلا دلیل تسلیم کرنا چاہیئے۔ لہٰذا ہمارے قول فعل کے مقابلہ میں کسی کو چون وچرا کی گنجائش نہیں! ملائکہ چونکہ ملائکہ ہی تھے تقلید کی فرضیت کو سمجھ گئے۔ اور جب سجدہ کا حکم ہوا تو فوراً تعمیل کی اور پہلے غیر مقلد ابلیس نے فلسفیانہ قیاس کر کے ابدالآباد کے لئے لعنت کے طوق کو تقلید کے ہار پر ترجیح دی۔ **فافہم وتفکر ولا تعجل ولا تغفل**" انتہیٰ ملخصاً ("العدل"، ۱ جولائی، ۱۹۴۲ء مطابق، ۱ محرم ۱۳۴۶ھ صفحہ ۵)

مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ نے اس عبارت میں بڑی ڈبل غلطی کی ہے لیکن پہلے تھوڑی سی تمہید سُن لیں۔ قیاس کے دو معنی ہیں، ایک منطقیوں کے نزدیک۔ ایک اہل شرع کے نزدیک۔

قیاس منطقی:۔ قول مرکب جو کئی اقوال سے مرکب ہو جس سے بلاواسطہ ایک اور قول لازم آجائے جیسے "عالم متغیر ہے"۔ یہ ایک قول ہے اور "ہر متغیر حادث ہے" یہ دوسرا قول ہے۔ اگر ان دونوں کو ترکیب دے کر یوں کہیں: "عالم متغیر ہے اور ہر متغیر حادث ہے" تو ان دونوں سے ایک تیسرا قول لازم آجائے گا وہ یہ کہ عالم حادث ہے پس ان دونوں کا مجموعہ منطقیوں کے ہاں قیاس ہو گا۔

قیاس اھل الشرع:۔ "ایک شئے کا حکم معلوم ہے۔ اُس حکم کی علت معلوم کر کے جہاں یہ علت پائی جائے وہاں یہ حکم جاری کر دینا"۔ جیسے شراب کے متعلق معلوم ہے کہ وہ حرام ہے۔ حرام ہونے کی علت دیکھی تو نشہ معلوم ہوئی اور یہ نشہ بھنگ، چرس وغیرہ میں بھی موجود ہے۔ پس یہ بھی حرام ہوں گی پس شراب

کی حرمت کی علت نشہ معلوم کر کے بھنگ وغیرہ کا حکم معلوم کرنا اہل الشرع کے ہاں قیاس ہے۔

جب قیاس کے دونوں معنی معلوم ہو گئے تو اب مولانا مرتضےٰ حسن صاحبؒ کی غلطی سنیئے! مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ نے فرشتوں کا قیاس جو ذکر کیا ہے یہ منطقیوں کی اصطلاح میں قیاس ہے۔ اور حضرت علیؓ، محمد بن سیرینؒ اور جعفرؒ کے کلام میں دوسرا مراد ہے۔ کیونکہ اہل الشرع کو منطقی اصطلاح سے کیا مطلب؟ خصوصاً جب کہ صحابہ اور تابعین کے زمانہ میں منطقی اصطلاحات کا نام و نشان نہ تھا۔ کیوں کہ منطق کا ترجمہ یونانی سے عربی میں خلافت عباسیہ میں مامون کے وقت میں ہوا۔

اس کے علاوہ مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب نے فرشتوں کے کلام کا جو کچھ مطلب بیان کیا ہے، وہ تب صحیح ہو سکتا ہے جب فرشتے خدا کا انکار کر رہے ہوں۔ حالانکہ ان کے کلام سے یہ ظاہر نہیں ہوتا۔ اور نہ اُن کی شان کے یہ لائق ہے بلکہ وہ بطور تعجب کے سوال کر رہے ہیں کہ یا اللہ! تسبیح بیان کرنے والوں کے مقابلہ میں تو ایسی مخلوق پیدا کرے گا۔ اللہ نے جواب دیا انّی اعلم ما لا تعلمون یعنی وہ ایسی مخلوق نہیں ہوگی بلکہ ان میں بڑے بڑے کامل ہوں گے۔ جن کو میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔ چنانچہ اس کے بعد آدمؑ کو تمام اشیاء کے نام سکھا کر آدمؑ کا کمال ظاہر کیا۔ جس کی تفصیل اس کے بعد کی آیتوں میں ہے۔ پس یہ قیاس منطقی بھی نہ رہا۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ فرشتوں نے تقلید نہیں کی۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا یہ فرمانا کہ "میں وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے" اس کو مجمل نہیں چھوڑا بلکہ آدمؑ کا کمال ظاہر کر کے فرشتوں کو اس پر مطلع کر دیا۔ بلکہ اگر مطلع نہ کرتا تو بھی تقلید نہ ہوتی۔ کیونکہ خدا کی بات کو ماننا تقلید نہیں۔ چنانچہ اُوپر تفصیل ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا انّی اعلم ما لا تعلمون کہنا اور فرشتوں کا اس کو تسلیم کرنا، یہ عقاید کی قسم سے ہے۔ اور علمائے اصول نے تصریح کی ہے کہ تقلید احکام عملیہ میں ہوتی ہے عقائد میں جائز نہیں ہوتی۔ چنانچہ حصہ ۱ میں اس کا ذکر آئے گا۔ انشاء اللہ! ناظرین لحاظ فرمائیں کہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب

کوئی ٹھکانے کی بات کہتے ہیں؟ خدا کی شان ہے

یہ ٹھہرے ہیں دین کے رہنما اب لقب ان کا ہے وارث انبیا اب

تعجب:۔ مولانا مرتضیٰ حسن نے حضرت علیؓ اور محمد بن سیرینؒ اور جعفرؒ کی تردید اپنے زعم میں قرآن سے کی ہے۔ ہم جب قرآن و حدیث کو لے کر کسی امام کے قول کو ترک کرتے ہیں۔ تو ہمیں غیر مقلد کہا جاتا ہے اور خود جو مرضی ہو کریں۔ یہ کس قدر تعجب ہے ہے

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

سوال:۔ حضرت علیؓ اور جعفرؒ اور محمد بن سیرینؒ نے قیاس کی برائی اور ممانعت میں اَوَّلُ مَنْ قَاسَ اِبْلِیْسُ کہا ہے، تو کیا فرشتوں کے قیاس کرنے کے وقت قیاس کی ممانعت تھی یا نہ؟ اگر ممانعت تھی تو فرشتوں نے جرم کیا۔ پس آپ کا سوال نمبر اول میں یہ کہنا کہ پہلی نافرمانی ابلیس سے ہوئی۔ یہ غلط ہو گیا بلکہ پہلی نافرمانی فرشتوں سے ہوئی اور اگر فرشتوں کے قیاس کرنے کے وقت قیاس کی ممانعت نہ تھی تو پھر برائی کے لحاظ سے اَوَّلُ مَنْ قَاسَ اِبْلِیْسُ صحیح ہوا اور آپ کا اعتراض فضول ہو گیا۔

تعجّب:۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کی یہ تمام تگ و دو تقلید کی خاطر ہے مگر جب حضرت علیؓ اور جعفرؒ اور محمد بن سیرینؒ ایسے بزرگ فرشتوں کے قرآنی واقعہ سے بے خبر رہ کر اَوَّلُ مَنْ قَاسَ اِبْلِیْسُ کہتے ہیں اور اتنی بڑی ڈبل غلطی کرتے ہیں کہ مولانا مرتضیٰ حسن ایسے مقلّد کو اس کا علم ہو جاتا ہے لیکن ان بڑے بڑے بزرگوں کو نہیں ہوتا تو پھر اُمتی کی اندھا دھند تقلید کس طرح درست ہوئی؟ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اُمتی کی بات کو تحقیق سے لینا چاہیئے۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ ان خدا کے بندوں کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہمارے قلم سے کیا نکل رہا ہے۔ جس شے کو ثابت کرنے بیٹھتے ہیں اُس کی تردید کر رہے ہیں "یکے بر سرِ شاخ و بُن برید" والا معاملہ ہے۔ خدا ان کو سمجھ دے۔ آمین۔

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے سترہ سوالات کے جوابات!

سوال نمبر اوّل

مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب سوال کرتے ہیں:۔

حضرات غیر مقلدین! کیا یہ عرض کرنا بے جا ہے کہ عالم میں پہلا ظلم، اول جرم، پہلی نافرمانی، ابتدائی کفر، ارتداد، بے ایمانی، فسق، گناہ کبیرہ ترک تقلید ہوا۔ بدترین کفار و مرتدین و مجرمین کا سردار، سارے فساق فجار کاروں کا افسر اعلیٰ وہ ہے جو سب سے پہلے غیر مقلد ہوا یعنی شیطان ابلیس ملعون نے خدائے قدوس کے اس حکم کو کہ آدم کو سجدہ کرے۔ بے دلیل تسلیم نہ کیا اور تسلیم القول بلا دلیل ہی تقلید ہے۔ یعنی کسی قول کو بلا دلیل تسلیم کرنا مان لینا یہ تقلید ہے شیطان نے اللہ تعالیٰ کے اس قول مذکور کو بلا دلیل تسلیم و قبول نہ کیا بلکہ دلیل کا مطالبہ کیا یعنی شیطان کو اوّل غیر مقلدین اور عدم تقلید کو سرچشمۂ ضلالت اور کفر کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ سائل کی یہ غرض نہیں کہ ترکِ تقلید اور طلبِ دلیل کا کوئی فرد بھی اچھا نہیں۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ترکِ تقلید کی نسبت جو سوال میں الفاظ درج کئے گئے ہیں، صحیح ہیں یا نہیں؟ شیطان کا یہ فعل ترکِ تقلید کا تھا یا نہیں؟" (العدل مورخہ ۷ مارچ ۱۹۲۷ء)

جواب

شیطان کا مقلد یا غیر مقلد ہونا اس کی تفصیل تو صفحہ ۴۰ تا ۴۹ میں گذر چکی ہے۔ یہاں ہم نے یہ بتانے

صرف اس غرض سے نقل کی ہے کہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ کی لیاقت کا اندازہ کرائیں۔ ناظرین خیال فرمائیں کہ مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب اِدھر تو ساری خرابیوں کی جڑ ترکِ تقلید کو قرار دیتے ہیں۔ اور ادھر کہتے ہیں کہ سائل کی یہ غرض نہیں کہ ترکِ تقلید اور طلبِ دلیل کا کوئی فرد بھی اچھا نہیں " ساری خرابیوں کی جڑ ترکِ تقلید کو قرار دینا چاہتا ہے کہ ترکِ تقلید فی نفسہٖ خراب شے ہو اور اس کے بعض افراد کو اچھا کہنا چاہتا ہے، کہ ترکِ تقلید فی نفسہٖ کوئی خراب شے نہ ہو۔ بلکہ خرابی اس کے بعض افراد میں ہو۔ پس یہ ایسا ہوگیا جیسا آج کل کہا جاتا ہے کہ مسلمان بہت خراب ہیں، مسلمان بہت آزاد ہیں۔ ایسے ہیں ویسے ہیں، جیسے اس سے اسلام پر کوئی دھبہ نہیں آتا۔ اسی طرح ترکِ تقلید پر کوئی دھبہ نہیں آتا یا کم سے کم ایسا ہوگیا جیسے مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے تقلید میں مفاسد بتلائے ہیں جس سے ان کے خیال میں تقلید اور ترکِ تقلید برابر نظر آتے ہیں۔ یعنی ان کے زعم میں ہر ایک میں کچھ خرابیاں ہیں اور کچھ فوائد ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۲۹ میں تفصیل ہو چکی ہے۔ پس مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ نے خود ہی اپنی تقریر پر پانی پھیر دیا۔ حالانکہ تمہید بڑے زور شور سے اٹھائی تھی۔ اور عموماً ان کی یہی حالت ہے کہ الفاظ بولتے ہیں اور سمجھتے نہیں۔ اللہ سمجھ دے۔ آمین۔

سوال نمبر دوم

شیطان وہ شخص ہے یا نہیں کہ جس نے مخلوقات میں سب سے پہلے ترکِ تقلید پر دلیل قائم کر کے لعنت کا طوق حاصل کیا۔ یہ کہنا کہ دین کے بارے میں اوّل دلیل طلب کرنے والا بڑا کافر شیطان ابلیس لعین ہے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب

صحیح نہیں کیوں کہ حکم دینے والا خود خدا ہے جس کے اندر دلیل موجود ہے یعنی خدا ہونا۔ چنانچہ

صفحہ ۵ میں تفصیل ہو چکی ہے۔

سوال نمبر سوم

اصولِ فقہ میں ادلہ اربعہ سے بحث ہوتی ہے۔ ان سے پہلی دلیل کتاب اللہ ہے۔ مثلاً وجوبِ نماز ایک حکم ہے۔ اس کی دلیل ارشادِ الٰہی اقیموا الصلٰوۃ ہے۔ مولانا مرتضیٰ حسن اس معمولی سی بات میں غلطی کھا رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

"اگر یہ فرمایا جائے کہ تقلید تسلیم القول بلا دلیل کا نام ہے اور یہاں خداوند عالم کا فرمانا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ دلیل ہے تو شیطان نے قول بلا دلیل کو ترک نہیں کیا بلکہ قول مدلل کو ترک نہ کرنے کی وجہ سے کافر ہوا ہے تو بکمال ادب عرض ہے کہ قول حکم ہے اس کی دلیل اور چاہیئے۔ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، یہ حکم ہے۔ یہ حکم ہی خود اپنے نفس کے لئے دلیل کیسے ہو سکتا ہے؟ اقیموا الصلٰوۃ و اٰتوا الزکٰوۃ نماز کو قائم کرو۔ اور زکوٰۃ کو ادا کرو۔ یہ اللہ تعالےٰ نے بندوں کو حکم دیا۔ یہ حکم ہے اس کی دلیل کوئی اور چاہیئے اور اگر یہی حکم ہے اور یہی دلیل ہے تو حاصل یہ ہوا کہ نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو۔ سائل عرض کرتا ہے کہ اس کی دلیل کیا ہے؟ تو جواب ملتا ہے۔ اس واسطے کہ نماز پڑھو۔ زکوٰۃ دو۔ اور یہ تو کوئی عاقل بھی تجویز نہیں کر سکتا۔ کوئی شخص کہے کہ میرا تمہارے ذمے ہزار روپیہ قرض ہے (اس واسطے کہ میرا تمہارے الخ) نہایت غور سے جواب دیا جائے۔" انتہیٰ (العدل)

مؤرخہ ۷ مارچ ۱۹۲۶ء)

جواب

دیکھئے! اس عبارت میں "آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو" اور اقیموا الصلٰوۃ کو حکم سمجھ رہے

ہیں۔ حالانکہ یہ دلیل ہے، وجوب سجدہ اور وجوب نماز حکم ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ کتب اصول فقہ (تلویح توضیح وغیرہ) میں حکم کے دو معنے لکھے ہیں۔ ایک خطاب الٰہی (اقیموا الصلوٰۃ وغیرہ) ایک وجوب وغیرہ جہاں اقیموا الصلوٰۃ وغیرہ کو دلیل بتاتا ہے وہاں حکم سے مراد وجوب وغیرہ ہے مولانا مرتضیٰ حسن صاحب پہلا معنی (خطاب الٰہی) سمجھ رہے ہیں، اسی لئے دھوکہ کھا رہے ہیں۔ ان کو چاہیئے کہ کسی استاد سے پڑھیں تاکہ ایسی فاش غلطیوں سے بچیں۔ واللہ الموفق

سوال چہارم

مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب فرماتے ہیں :۔

"خداوند عالم اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول کو بلا دلیل تسلیم کرنا چاہیئے یعنی اللہ تعالےٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر قول کی تقلید کرنی چاہیئے، جو ان کی تقلید نہ کرے وہ کافر ہے۔ غرض اول سے آخر تک دین۔ ایمان۔ مذہب تقلید ہی کا نام ہے۔" (العدل، مارچ ۱۹۲۷ء)

جواب

صفحہ ۲۶ میں ہم بتلا چکے ہیں کہ خدا و رسول کی بات کو ماننا تقلید نہیں بلکہ اتباع ہے اگر بالفرض تقلید ہو تو متنازع فیہ نہیں، لیکن یہاں ہم نے یہ عبارت اس غرض سے نقل کی ہے کہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کی ایک عجیب بات ہدیۂ ناظرین کریں۔ وہ یہ کہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے نزدیک خدا و رسولؐ کی بات کو با دلیل ماننے والا کافر ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ جو ان کی تقلید نہ کرے (یعنی بے دلیل ان کی بات نہ مانے) وہ کافر ہے۔" خدا جانے اصول فقہ والوں پر ان کا کیا فتویٰ ہوگا جو فرماتے ہیں۔

لا یجوز التقلید فی العقلیات عند الاکثر کوجود الباری ونحوہ (مسلم الثبوت)
یعنی اکثر کے نزدیک عقائد میں تقلید جائز نہیں جیسے خدا کی ہستی وغیرہ پر ایمان "
نیز مسلم الثبوت بحث اجماع میں ہے۔ لا عبرۃ بالکافر ولا بالمقلد عند الاکثر ولو کان عالما۔ یعنی مسئلہ اجماع میں نہ کافر کی شرکت عدم شرکت کا اعتبار ہے نہ مقلد کا خواہ عالم ہو۔ اکثر فقہاء کا یہی مذہب ہے "
اب ہم پوچھتے ہیں کہ مسائل اجماعیہ (جن پر ائمہ دین کا اجماع ہے) معتبر اور دین میں داخل ہیں یا نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو ائمہ مقلد نہ ہوئے۔ پس اول سے آخر تک دین کو تقلید کہنا غلط ہوا اور اگر جواب نفی میں ہے یعنی مسائل اجماعیہ معتبر اور دین میں داخل نہیں تو مسائل اختلافیہ بطریق اولیٰ معتبر اور دین میں داخل نہ ہوئے پس سارے دین پر ہی قریب قریب ہاتھ صاف ہو گیا۔ انا للہ۔
ناظرین خیال فرمائیں کہ مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب کی بے خبری کہاں تک نوبت پہنچا رہی ہے۔
اس کے علاوہ حدیث میں ہے۔ ما من الانبیاء نبی الا اعطی ما مثلہ امن علیہ البشر وانما کان الذی اوتیت وحیا اوحاہ اللہ الیّ فارجوان اکون اکثرھم تابعا یوم القیامۃ (بخاری کتاب فضائل القرآن) یعنی " ہر نبی اس قدر معجزے اور نشانیاں دیا گیا جتنے لوگ اس پر ایمان لائے۔ اور میرا معجزہ نفس وحی (یعنی قرآن اور احکام) ہے۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ میرے تابعدار قیامت کے دن سب سے زیادہ ہوں گے "
بتلائیے! دین اول سے آخر تک تقلید کا نام ہوا یا تحقیق کا؟ خدا تعالیٰ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب ایسا بے خبر بھی کسی کو نہ بنائے۔ آمین۔
اگر کہا جائے کہ بہتیرے مسلمان بالکل بے پڑھے لکھے جو مسلمانوں کے ہاں پیدا ہوئے محض تقلید آبائی کی وجہ سے مسلمان ہوئے اور اسلام ہی پر خاتمہ ہوا۔ کیا ان کا تقلیدی اسلام قبول ہے؟ اگر مقبول ہے، تو

رفع یدین، آمین وغیرہ جزئیات وغیرہ میں تقلید کیوں جائز نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ایک فطری بات ہے کہ جب کسی کو ایک بات کا علم نہیں ہوتا تو عند الضرورت وہ علم والوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اور اسی بات کو آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر بیان کر رہی ہے۔ پس جب کسی کو ایک بات کا علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لے خواہ اصول سے ہو یا فروع سے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں، خواہ اس کا نام کوئی تقلید رکھے یا اتباع۔ ہاں اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ کسی ایک عالم کے مذہب کا التزام نہ کرے جس کو دوسرے لفظوں میں تقلید شخصی کہتے ہیں کیونکہ اس قسم کی تعیین اس آیت کے بھی خلاف ہے اور سلف کی روش کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۴۔۲۶ میں اس کی تفصیل ہو چکی ہے۔ بلکہ فطرت کے بھی خلاف ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل بھی صفحہ ۱۷ میں ہو چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس سوال کا نام ہمارے نزدیک اتباع ہے۔ اگر کوئی اس کا نام تقلید رکھے تو یہ اس کی اصطلاح ہوگی۔ ولا مناقشۃ فی الاصطلاح؛ فتامل فیہ

اگر ہمارے بھائی بھی روش اختیار کر لیں تو سارے جھگڑے ہی مٹ جائیں بلکہ نام کا اختلاف بھی نہ رہے۔ کیوں کہ اللہ و رسول کا مقلد کوئی کہلاتا ہی نہیں۔ اور جب التزام مذکور نہ رہا تو خاص امام کی تقلید بھی اڑ گئی۔ اب سوا اس کے کہ اللہ و رسول کا متبع کہلائے یا سلف کا متبع کہلائے اور کونسی صورت رہی؟ اور یہی اہلحدیث کی روش ہے کہ وہ اپنی نسبت رسول کی طرف کرتے ہیں یا سلف کی طرف۔ اور حدیث کی طرف نسبت بھی بعینہ رسولؐ کی طرف نسبت ہے۔ پس یہ صورت ایسا اتحاد پیدا کرنے والی ہے، جس کی نسبت کسی نے کہا ہے ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

رحمت الٰہی سے کیا بعید ہے کہ وہ ہمارے بھائیوں کو اس روش کی توفیق بخشے اور اس اتحاد کی خوبی ان کے دلوں میں ڈال کر ہدایت کا چراغ ان کی راہ میں رکھ دے۔ یا اللہ! تو ایسا ہی کر۔ آمین۔

سوال پنجم

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب فرماتے ہیں۔

"جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ قرآن شریف واحادیث میں جس قدر احکام ہیں وہ احکام ہیں دلائل نہیں تو اب یہ بتانا چاہیئے کہ قرآن شریف کی آیات اور احادیث کو جو احکام کے دلائل کہتے ہیں۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ اور آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ سے بڑھ کر وہ کونسی چیز ہے جو ان احکام کے دلائل بنے گی؟

ہمیں حضراتِ مجتہدینِ زمانہ (غیر مقلدین) سے اُمید رکھنی چاہیئے کہ اس مقام کو وہ اُسی طرح حل فرمائیں گے جس طرح مسئلہ قرأتِ خلف الامام وغیرہ کو مجتہدانہ رنگ میں بیان کرتے ہیں۔ تقلید کی حرمت کو اب دیکھنا ہے کہ بلا مقلدین کی کتب کے مطالعہ اور ان کی مدد کے کیا جواب تسلی بخش ارشاد فرماتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے عدمِ تقلید کی جو حقیقت ہے۔ رات کو فتح القدیر۔ فتح الباری حسینی وغیرہ شروح و حواشی مقلدین کے دیکھے جاتے ہیں اور صبح کو تقلید کو حرام کہا جاتا ہے اور بیان وہی کیا جاتا ہے جو مقلدین نے کہا ہے۔ ہم تو اس کو نمک حرامی سمجھتے ہیں کہ آدمی جس ہنڈیا میں کھائے اسی میں چھید کرے۔ ہاں اگر قرآن مجید اور حدیث شریف کے ہوتے ہوئے تقلید کی ضرورت نہیں اور جہاں سے مجتہدین نے احکام کا اخذ کیا ہے۔ آپ بھی وہیں سے اخذ احکام فرماتے ہیں تو بسم اللہ لاؤ کسی بڑے سے بڑے غیر مقلد کو جس نے علم ہیئت وصرف نحو نہ پڑھا ہو۔ آسمان اُس کے سامنے موجود ہے وہ علمِ ہیئت کے کتنے مسئلے ایجاد کرتا ہے اور کلامِ عرب موجود ہے دیکھوں کہ صرف نحو کے کتنے قاعدے ایجاد کرتا ہے۔ شرم کرنی چاہیئے کہ بطلیموس۔ فیثا غورث خلیل اور اخفش کے جوتے اٹھاتے ساری عمر مر جائیں مگر اجتہاد کا نام لیتے دم نکلے۔ قرآن مجید اور حدیث شریف سے اجتہاد کے دعوے کریں۔

حاصل یہ ہے کہ دین محض تقلید ہی تقلید کا نام ہے یا نہیں؟ یہ بات دوسری ہے کہ خداوند عالم اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید فرض اور ائمہ مجتہدین کی واجب۔ وہاں قطعی یہاں ظنی۔ دین میں اجتہاد

بھی ہے۔ مگر کن کا۔؟ وہ کون ہیں؟ اس کا جواب بھی قرآن و حدیث ہی سے دینا چاہیئے۔" انتہیٰ ملخصاً (حوالہ مذکورہ)

جواب

اس عبارت میں مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے سب سوالات عامیانہ حیثیت کے ہیں۔ اگر سر کردہ اصحاب کی یہی لیاقت ہے تو باقی کا خدا ہی حافظ ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

دیکھئے! عام طور پر سب جانتے ہیں کہ قرآن و حدیث سے احکام ثابت ہوتے ہیں جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔ مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ قرآن و حدیث ہی کو احکام سمجھ رہے ہیں اور اسی بناء پر سوال کرتے ہیں کہ جب قرآن و حدیث احکام ہوئے تو ان سے بڑھ کر وہ کونسی چیز ہے جو ان احکام کی دلائل بنے گی؟ اگرچہ ہم اس سوال کا جواب اس حدیث سے دے سکتے ہیں جو نمبر چہارم میں گذری ہے۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا معجزہ وحی ہے جس کا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہوا کہ "آفتاب آمد دلیلِ آفتاب" مگر چونکہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ کی یہ بات ہی سرے سے غلط ہے کہ قرآن و حدیث احکام (نماز، روزہ) کے دلائل نہیں۔ اس لئے جواب دینا فضول ہے۔ اس غلطی کی زیادہ تفصیل نمبر سوم میں گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔

دوسری غلطی یہ ہے کہ اہلحدیث کی نسبت ان کا خیال ہے کہ بغیر مطالعہ کتب مقلدین کے نہ وہ حرمت تقلید کو ثابت کر سکتے ہیں نہ کسی اور مسئلہ کا جواب دے سکتے ہیں۔ حالانکہ اہل حدیث ہر ایک معاملہ میں سلف کی روش پر چلتے ہیں اور حدیث ما انا علیہ واصحابی کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ جب کوئی مسئلہ پیش آتا ہے تو پہلے قرآن و حدیث میں دیکھتے ہیں۔ اگر نہ ملے تو سلف کے اقوال میں نظر کرتے ہیں جو قول دلیل کی رو سے راجح ہوتا ہے اس پر فیصلہ کرتے ہیں ورنہ کتاب و سنت کے عمومات وغیرہ میں غور کرتے ہیں۔ چنانچہ اہلحدیث کی یہ روش شاہ ولی اللہ صاحب نے رسالہ انصاف میں مفصل ذکر کی ہے

اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ اہلحدیث کی یہ روش سلف کے حالات سے ماخوذ ہے۔ اور ہم بھی اپنے رسالہ "تعریف اہلحدیث" صفحہ ۹۲ تا ۹۷ میں بحوالہ انصاف وغیرہ اس کی پوری تفصیل کر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہلحدیث تقلید مروجہ کو ناجائز کہتے ہیں کیونکہ وہ قرآن وحدیث اور روش سلف کے خلاف ہے۔ چنانچہ صفحہ ۲۲۔۲۷ میں تفصیل ہو چکی ہے۔ اور مخالف موافق کی کتب بھی اسی لئے دیکھتے ہیں کہ سلف کے اقوال کا علم ہو جائے اور جو دلیل کی رُو سے راجح ہو۔ اس پر فیصلہ کیا جائے۔ اگر اسی کا نام ہنڈیا میں کھا کر چھید کرنا ہے تو اہلحدیث اس میں مجبور ہیں کیونکہ وہ قرآن وحدیث اور روش سلف کو کسی طرح ترک نہیں کر سکتے۔

اور اصل بات یہ ہے کہ آپ نے غور نہیں کیا۔ دیکھئے آپ لوگ جلالین، بیضاوی، بخاری، مؤطا تلویح وغیرہ پڑھتے ہیں جو آپ کے مخالفوں کی کتابیں ہیں۔ پھر انہی کا خلاف کرتے ہیں اور فلسفہ وغیرہ پڑھ کر فلسفہ کا خلاف کرتے ہیں۔ کیا یہ ہنڈیا میں کھا کر چھید کرنا ہے؟

ناظرین خیال فرمائیں کہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کیسی بکمتی باتیں کرتے ہیں۔ ابھی اور سنیئے۔ فرماتے ہیں۔ "رات کو فتح القدیر، فتح الباری، عینی وغیرہ شروح وحواشی مقلدین کے دیکھے جاتے ہیں" گویا ان لوگوں کو مقلدین قرار دیا ہے حالانکہ ان لوگوں پر تقلید کی تعریف صادق نہیں آتی۔ کیوں کہ مسلم الثبوت میں ہے۔ اما المقلد فمستندہ قول مجتہدہ لاظنہ ولاظنہ یعنی مقلد کی دلیل صرف اس کے امام کا قول ہے نہ امام کا ظن نہ اپنا"۔ توضیح تلویح طبع مصر صفحہ ۲۱ میں ہے والادلۃ الاربعۃ انما یتوصل بھا المجتہد لا المقلد فاما المقلد فالدلیل عندہ قول مجتہدہ یعنی قرآن وحدیث اجماع قیاس سے استدلال کرنا مجتہد کا کام ہے نہ مقلد کا۔ کیوں کہ مقلد کی دلیل صرف اس کے امام کا قول ہے نیز توضیح تلویح میں ہے کہ مقلد اپنی دلیل یوں پیش کرے گا۔ ھذا ما ادی الیہ رای ابی حنیفۃ وکل ما ادی الیہ رای ابی حنیفۃ فھو عندی صحیح۔ یعنی یہ مسئلہ میرے امام کا قول ہے

اس لئے یہ صحیح ہے :

یہ لوگ اپنی کتابوں میں مسائل ہر قسم کے عقلی نقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں تو یہ مقلد کس طرح ہوئے؟
اس کے علاوہ یہ تقلید کا رد کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری جز ۲۸ کے صفحہ ۱۸۴ میں لکھتے ہیں ۔ ان الوقائع الخاصۃ قد تخفی علی الاکابر ویعلمھا من دونھم وفی ذلک رد علی المقلد اذا استدل علیہ بخبر یخالفہ فیجیب لو کان صحیحاً لعلمہ فلان مثلاً یعنی" خاص خاص واقعات کبھی بڑوں پر مخفی رہ جاتے ہیں اور چھوٹے جان لیتے ہیں اور اس میں مقلد پر رد ہے ۔ جب اس پر صحیح حدیث پیش کی جاتی ہے جو اس کے مذہب کے خلاف ہے تو کہتا ہے اگر یہ صحیح ہوتی تو فلاں (میرا امام) اس کو جان لیتا "

ابن الہمامؒ صاحب فتح القدیر آخر تحریر میں لکھتے ہیں، کانوا یستفتون مرۃ واحداً ومرۃ غیرہ غیر ملتزمین مفتیاً واحداً ۔ یعنی" سلف کے زمانہ میں کبھی کسی سے فتوے پوچھتے، کبھی کسی سے ۔ ایک مفتی کا التزام نہ تھا "

رہا یہ سوال کہ ان کو خاص خاص اماموں کی طرف نسبت کیوں کرتے ہیں تو اس کا جواب ص۸۲ میں گذر چکا ہے ۔ وہاں ملاحظہ ہو ۔

تیسری غلطی یہ ہے کہ اہل حدیث کو کہتے ہیں ۔ اگر قرآن وحدیث سے اخذ مسائل کا دعوٰے ہے تو بغیر پڑھے صرف نحو اور علم ہیئت کے مسئلے ایجاد کرو، نیز کہتے ہیں، اجتہاد کن کے لئے ہے؟ جس سے ان کا مطلب یہ ہے کہ اہلحدیث اجتہاد پر قادر نہیں ۔ حالانکہ یہ واضح ہے کہ جو قرآن وحدیث میں مہارت رکھے وہ اخذ مسائل اور اجتہاد پر قادر ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا یعنی جو ہمارے دین میں کوشش کریں ہم ان کو اپنے رستے بتا دیتے ہیں" اور اہلحدیث بغیر پڑھے قرآن وحدیث کے قرآن وحدیث سے اخذ مسائل نہیں کرتے ۔ ہاں اگر اہل حدیث قرآن وحدیث سے بغیر پڑھے اخذ مسائل کرتے تو صرف ونحو اور علم ہیئت کے مسائل بھی بغیر پڑھے ایجاد کرتے ۔

اس کے علاوہ کیا پہلے مجتہدین کے اجتہاد کا یہی معیار تھا اور کسی مجتہد نے یہ کام کیا۔؟ یہ تو ایسا ہوا کہ اُردو بولنے والے کو کوئی کہے۔ بغیر پڑھے انگریزی بول۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ کیسے علمی سوال ہیں کہ ہر ایک کے دماغ کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی۔ سچ ہے۔

؎ آنکس کہ نداند و بداند کہ نداند — او در جہل مرکب ابدالدہر بماند

سوال ششم

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب لکھتے ہیں:۔ "اگر یہ بات مسلم ہے (کہ دین محض تقلید ہی تقلید کا نام ہے) تو پھر تقلید کے اقسام اور محمود و مذموم۔ فرض اور واجب۔ حرام اور جائز۔ اولیٰ اور خلاف تمام اقسام اور سب کی تعریفیں مفصل بیان فرمائیے۔ ورنہ یہ فرما دیا جائے کہ تقلید دین میں سب جگہ حرام یا کفر شرک کیا ہے اور ترک تقلید کے بعد کیا طریق اختیار کرنا چاہیئے۔ قرآن مجید اور حدیث پر کس طرح عمل کرے؟" (حوالۂ مذکور)

جواب

اہلحدیث چونکہ تقلید کے قائل نہیں اس لئے ان کے نزدیک اس کے کچھ اقسام بھی نہیں ہاں مقلدین کے نزدیک اقسام ہو سکتے ہیں مثلاً مطلق تقلید واجب ہو جس میں کسی امام کی تعیین نہ ہو۔ تقلید شخصی حرام ہو۔ جس میں ایک امام کی تعیین کو شرعی حکم سمجھا جائے۔ ہاں اہلحدیث کے سامنے کوئی تقلید کی قسمیں کر کے سوال کرے کہ فلاں قسم جس کی یہ تعریف ہے جائز ہے یا ناجائز، تو اہلحدیث قرآن و حدیث سے اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ ترک تقلید کے بعد کیا صورت اختیار کی جائے۔ سو اس کا جواب ظاہر ہے کہ علم والے اپنے علم پر کام کریں اور بے علم آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر پر عمل کریں۔ اس کی زیادہ تفصیل نمبر چہارم میں ملاحظہ ہو۔

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب خدا جانے ایسے سوال کر کے کیوں اپنی بے لیاقتی کا ثبوت د۔

ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بالکل بتدی ہیں۔ خدا علم نصیب کرے۔ آمین

سوال ہفتم

مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ فرماتے ہیں۔ "تقلید میں جو تسلیم القول بلا دلیل ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ یہ مطلب ہے کہ جو قول نفس الامر میں بلا دلیل اور غلط امر ہے۔ اس کے تسلیم کرنے کو تقلید کہتے ہیں۔ تب تو تقلید کی جتنی مذمت کی جائے تھوڑی ہے۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ ایک قول جو واقع اور نفس الامر میں مدلل اور محقق ہے۔ چاہے اس کی دلیل قطعی اور یقینی ہو یا ظنی۔ مگر دلیل ضرور ہے ایسے قول کو قائل کے اعتماد پر یا کسی مخفی، مجمل دلیل کی بناء پر جو اس وقت اس کلام میں مذکور نہ ہو تسلیم کرنا تقلید ہے۔ تو پھر اس کی مذمت کی کیا دلیل ہے؟ کیا کسی صحیح بات کو بھی بلا ذکر دلیل تسلیم کرنا کفر و شرک و حرام و گناہ ہے؟ بخاری شریف کی حدیث کو بلا سند بیان کئے ہوئے کوئی شخص تسلیم کرے تو یہ بھی تسلیم القول بلا دلیل ہو کر تقلید ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو یہ تقلید مذموم ہے یا بہتر؟ اور اگر نہیں تو کیوں؟ حضرت عمرؓ کا حضرت صدیق اکبرؓ سے جمع قرآن شریف کے بارے میں کہنا اور صدیق اکبرؓ کا یہ جواب دینا کہ کیف تفعل شیئا لم یفعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں فاروق اعظمؓ کا نہ آیاتِ قرآنیہ کو پیش کرنا نہ حدیث نبویؐ کو بیان کرنا بلکہ ھذا واللہ خیر کہنا اور صدیق اکبرؓ کا حضرت فاروق اعظمؓ کے قول کو قبول فرمانا یہ تقلید فی الدین اور تسلیم القول بلا دلیل ہوئی یا نہیں؟ پھر زید بن ثابتؓ سے حضرت صدیق اکبرؓ کا جمع قرآن کو فرمانا اور زید بن ثابتؓ کا بھی وہی جواب دینا جو فاروق اعظمؓ نے صدیق اکبرؓ کو دیا۔ پھر فقط اسی قول سے دونوں حضرات کا شرح صدر ہو جانا اور اس پر تمام صحابہ میں سے کسی نے بھی انکار نہیں کیا تو سب صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کے قول کو بلا دلیل تسلیم کر کے تقلید کو ثابت فرمایا یا نہیں؟ فرمایئے! تقلید ما انا علیہ واصحابی

کا فرد ہوئی یا نہیں؟ مقلدین کس فرقہ میں اور غیر مقلدین بہتر میں یا چوہتر میں؟
حضرات غیر مقلدین! ہوشیار ہو کر جواب مرحمت فرمانا۔ آپ کے بعض بعض بڑوں نے نہایت گستاخانہ اعتراض فاروق اعظمؓ پر تراویح کے بارے میں کیا ہے گویا ان کو بدعتی کہہ دیا۔ دیکھو کوئی شخص یہ کہہ کر اپنی عاقبت خراب نہ کرے کہ حضرت عمرؓ کا کیا ذکر ہے۔ جب انہوں نے ایک بدعت کر لی تو دوسری یہ بھی سہی، مگر دیکھو ائمہ پر تبرا کہنے سے چھوٹا رافضی ہوتا ہے اور صحابہ کی شان میں گستاخی کرنا یہ اصل رفض ہے۔ انتہیٰ ملخصاً (حوالہ مذکور)

جواب

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے تقلید کی تعریف "تسلیم قول بلا دلیل" کے دو مطلب بیان کئے ہیں۔ پہلے مطلب میں، تو مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کے نزدیک بھی تقلید بُری ہے۔ اگر دُوسرا لیں تو مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ کہتے ہیں کہ اس کی مذمت کی کیا دلیل ہے کیا کسی صحیح بات کو بھی بلا ذکر دلیل تسلیم کرنا کفر و شرک حرام و گناہ ہے؟ ہم پوچھتے ہیں کہ بلا ذکر دلیل سے آپ کی کیا مُراد ہے۔ اگر یہ مراد ہے کہ کلام میں دلیل مذکور نہیں اگرچہ دلیل کا علم حاصل ہو تو یہ کسی کے نزدیک تقلید نہیں بلکہ دلیل کا اتباع ہے۔ ویسے اس کا نام کوئی تقلید رکھ لے تو اس کی مرضی۔ اور اگر بلا ذکر دلیل سے مراد ہے کہ دلیل کا علم نہ ہو تو فقہاء کی دوسری تعریف کے مطابق جو صفحہ ۸۰ میں گذر چکی ہے۔ بے شک یہ تقلید ہے مگر بخاری کا ذکر بے محل ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ خدا و رسول کی بات کو ماننا تقلید نہیں بلکہ اتباع ہے۔ اگر کوئی اس کا نام تقلید رکھے تو اس کی مرضی ورنہ در حقیقت یہ اتباع ہے جس میں کسی کو نزاع نہیں۔ چنانچہ صـ۲۶ میں گذر چکا ہے اور ظاہر ہے کہ یُوں کہنا کہ یہ بخاری کی حدیث ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے کہا جائے۔ رسول کا قول ہے۔ خواہ سند کا ذکر ہو یا نہ ہو۔ اس سے کسی کو انکار نہیں، برخلاف اس کے اگر یُوں کہیں کہ یہ امام بخاری کا قول ہے یا امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے تو اس سے مراد ان کی رائے اور ان کا مذہب ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس کو قول رسول نہیں کہہ سکتے۔ دیکھئے عبداللہ بن مسعودؓ

سے لوگوں نے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ ایک عورت کا خاوند ملاپ سے پہلے مرگیا اور اس عورت کا مہر مقرر نہیں ہوا۔ کیا اس عورت کو میراث اور مہر ملے گا؟ اور کیا یہ عورت عدت وفات بیٹھے گی؟ عبداللہ بن مسعودؓ نے اجتہاد سے یہ مسئلہ بتلایا کہ یہ عورت عدت وفات بھی بیٹھے گی اور اس کو میراث اور مہر مثل بھی ملے گا۔ اور فرمایا کہ یہ اجتہاد اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اگر غلط ہے تو میرے نفس اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ و رسول اس سے بری ہیں؛ (ملاحظہ ہو رسالہ انصاف شاہ ولی اللہ وغیرہ)

پس جب احادیث میں اور اماموں کے اقوال میں فرق معلوم ہوگیا تو کسی کے قول کو بخاری کی حدیث پر قیاس کرنا صحیح نہ ہوا۔ مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب نے آج تک یہی لیاقت پیدا کی ہے کہ ان کے نزدیک حدیث اور کسی کا قول ایک ہی شے ہیں۔ ایسی لیاقت مُبارک ہو۔

رہی یہ بات کہ کسی کا قول بغیر معرفت دلیل کے لینا کیسا ہے تو اس کی بابت عرض ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ یعنی اگر تمہیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پُوچھ لو" اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جس بات کا علم نہ ہو، اس کی دوسرے سے تحقیق کرلے، سو جس قدر انسان سمجھ سکتا ہے اس کی کوشش کرے جو اُس کی طاقت سے باہر ہے اس کا وہ مکلف نہیں۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ مثلاً ایک عامی آدمی ہے اس کو کسی بات کی ضرورت ہو تو وہ اپنی حسب حیثیت تحقیق کرے۔ اگر دلیل آسان ہے تو سمجھ لے اگر مشکل ہے جو اس کی سمجھ سے باہر ہے تو نفس قول پر عمل کرے لیکن ایک کے مذہب کا التزام نہ چاہیئے۔ بلکہ جس سے موقع ملے دریافت کرلے جیسے سلف میں دستور تھا۔ خواہ اس کا نام کوئی تقلید رکھے یا اتباع اور اگر قابل اور لائق آدمی ہے تو پھر اس کو پوری تحقیق کرنی چاہیئے۔ جیسے صدیق اکبرؓ نے فاروق اعظمؓ سے اور زید بن ثابتؓ نے صدیق اکبرؓ سے جمع قرآن کی بابت کی تھی۔

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب نے جو اس کو تسلیم القول بلا دلیل قرار دیا ہے تو یہ ان کی غلطی ہے۔ ہم اس روایت کے اصل الفاظ نقل کئے دیتے ہیں تاکہ اصل مطلب واضح ہو جائے۔

قال زید بن ثابت ارسل الیّ ابوبکر مقتل اھل الیمامۃ وعندہ عمر فقال ابوبکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامۃ بالنّاس وانی اخشی ان یستحر القتل بالقراء فی المواطن فیذھب کثیر من القرآن الا ان تجمعوہ وانی اری ان یجمع القرآن قال ابوبکر قلت لعمر کیف افعل شیئًا لم یفعلہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فقال عمر ھو واللہ خیر فلم یزل عمر یراجعنی فیہ حتّی شرح اللہ لذلک صدری ورایت الذی رای عمر قال زید بن ثابت فلم ازل اراجعہ حتی شرح اللہ صدری للذی شرح لہ صدری ابی بکر وعمرؓ (بخاری)

یعنی "زید بن ثابتؓ کہتے ہیں اہل یمامہ کی لڑائی کے موقعہ پہ مجھے ابوبکرؓ نے بلایا اور عمرؓ اُن کے پاس تھے۔ کہا کہ عمرؓ میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ یمامہ کے دن لوگ بہت قتل ہوئے میں ڈرتا ہوں، کہ مختلف جگہ حافظوں کا قتل زیادہ ہونے سے بہت سا حصہ قرآن کا نہ چلا جائے۔ اس لئے میری رائے ہے کہ قرآن کو (کتابی صورت میں) جمع کیا جائے۔ میں نے کہا جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، میں کس طرح کروں۔ عمرؓ نے کہا واللہ! یہ بہتر ہے۔ عمرؓ مجھ سے جھگڑتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے جس بات کے لئے عمرؓ کا سینہ کھولا تھا میرا سینہ بھی کھول دیا۔ اور میری بھی وہی رائے ہوگئی جو عمرؓ کی رائے تھی۔ زید بن ثابتؓ کہتے ہیں۔ میں ابوبکرؓ سے جھگڑتا رہا۔ یہاں تک کہ میرا سینہ بھی اللہ تعالےٰ نے اس بات کے لئے کھول دیا۔ جس کے لئے ابوبکرؓ اور عمرؓ کا سینہ کھولا تھا"

ناظرین خیال فرمائیں کہ یہ جھگڑا کاہے کی خاطر تھا۔ دلیل ہی کی خاطر تو تھا۔ اگر ویسے ہی قول ماننا ہوتا تو جھگڑے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر جب تک پوری تسلی نہیں ہوئی، تسلیم نہیں کیا بلکہ اس روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ میری وہی رائے ہوگئی جو عمرؓ کی رائے تھی۔ بتلائیے! مقلد بھی مجتہد کی طرح صاحب الرائے ہوتا ہے اور مجتہد سے جھگڑ سکتا ہے؟ اور جب تک شرح صدر اور پوری تسلی نہ ہو انکار کرسکتا ہے؟ ہرگز نہیں بلکہ مقلد کی بات تو اصول میں

صاف لکھا ہے۔ اما المقلد فمستندہ قول مجتہدہ۔ یعنی مقلد کی دلیل اس کے امام کا قول ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل صفحہ ۰۰ایں گذر چکی ہے۔

رہی یہ بات کہ وہ دلیل کونسی ہے جس کی بابت تینوں کا شرح صدر ہوا۔ اور جس کی خاطر ابوبکرؓ اور زید بن ثابتؓ جھگڑتے رہے تو وہ دلیل یہ تھی کہ دین کی حفاظت کے ہم مامور ہیں، جس کی تائید بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے۔ الدین النصیحۃ للہ ولکتابہ یعنی دین اللہ اور کتاب اللہ وغیرہ کی خیر خواہی کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کی خیر خواہی اس کی حفاظت میں ہے کیونکہ عمل اس پر تبھی ہوگا جب اس کی حفاظت ہو اور حفاظت کا بڑا ذریعہ کتابت ہے اور کتابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ کیونکہ متفرق طور پر قرآن لکھا ہوا موجود تھا۔ پس یہ وہ دلیل تھی جس کے لئے تینوں کا شرح صدر ہوا۔ اور ممکن ہے کوئی اور دلیل بھی ان کے خیال میں آئی ہو۔ بہرحال انہوں نے تحقیق سے کام لیا۔ تقلید سے نہیں کیا۔ پس ہر قابل آدمی کو چاہئیے کہ اپنی حسب لیاقت تحقیق کرے۔

مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ کی سمجھ کو دیکھئے کہ جس روایت سے تقلید کی تردید ہوتی ہے اس کو تقلید کے ثبوت میں پیش کر رہے ہیں اور بلا وجہ زید بن ثابتؓ اور ابوبکر صدیقؓ جیسے محتاط صحابہ پر اندھی تقلید کا الزام لگا رہے ہیں ؎

پڑے پتھر سمجھ ایسی پہ گر سمجھے تو کیا سمجھے

پھر ساتھ ہی اس کے اہل حدیث پر افترا کرتے ہیں کہ وہ معاذ اللہ حضرت عمرؓ کو بدعتی کہتے ہیں "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"

ناظرین خیال فرمائیں کہ اہل حدیث کے دل میں تو سلف کا اتنا احترام ہے کہ رات دن اس کوشش میں ہیں کہ کسی طرح لوگوں کو سلف کی روش پر لایا جائے اور ان ہی کے قدم بہ قدم چلایا جائے۔ بھلا ایسے لوگوں سے ممکن ہے کہ سلف کے حق میں کوئی گستاخانہ کلمہ نکلے۔ یہ محض مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب کا افتراء

ہے۔ اور واقعی کسی نے ایسا کیا ہے تو وہ چھپا رافضی ہے۔ ہم اس کو اہلحدیث نہیں سمجھتے۔ اسی طرح ائمہ کے حق میں گستاخی کرنے والا بھی اہلحدیث نہیں۔ ہاں حنفیہ نے ائمہ کے حق میں بلکہ صحابہؓ کے حق میں واقعی گستاخانہ کلمات استعمال کئے ہیں۔ مولانا مرتضیٰ حسنؒ نے وہ الزام اہلحدیث پر تھوپ دیا۔

نور الانوار میں امام شافعیؒ اور حضرت معاویہؓ کی توہین

نور الانوار جو اصول میں درسی کتاب ہے اس کے صفحہ ۲۵۲ میں امام شافعیؒ کو ایسا جاہل لکھا ہے کہ قیامت کے دن اُن کا عذر نہیں سُنا جائے گا بلکہ حضرت معاویہؓ کو بھی اسی جہالت میں شامل کیا ہے۔ اب بتلائیے حقیقت میں گستاخ کون ہے؟ ؎

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

سوال ہشتم

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب لکھتے ہیں: "اگر کوئی یہ جواب دے کہ تمام صحابہؓ نے جو فاروق اعظمؓ کے قول کو بلا دلیل تسلیم کیا تھا لہٰذا وہ تو مقلد ہوئے مگر ہم نے ان کے قول کو بلا دلیل تسلیم نہ کیا بلکہ فلاں دلیل سے جمع قرآن ثابت ہے۔ اس بناء پر قرآن میں ہم پڑھتے ہیں تو حضرات پھر دست بستہ یہ عرض ہے کہ آپ ساری عمر غیر مقلد رہیں بلکہ اس سے بھی اور زیادہ درجہ اختیار فرمالیں آپ کو اختیار ہے۔ ہم کو تو صحابہ کا مقلد ہونا ثابت کرنا ہے تاکہ ہم ان کی تقلید کرکے ما انا علیہ واصحابی میں داخل ہو کر نجات پائیں"۔ انتہٰی (حوالہ مذکور)

جواب

ناظرین خیال فرمائیں کہ پہلے حضرت ابو بکرؓ اور زید بن ثابتؓ کو حضرت عمرؓ کا مقلد کہا تھا۔ اب سب صحابہؓ کو حضرت عمرؓ کا مقلد کہہ دیا ہے مگر دلیل ندارد۔ یہ لوگ میدان مناظرہ کو بھی مریدوں کا حلقہ سمجھتے

ہیں۔ اس لئے جو زبان پر آتا ہے کہتے جاتے ہیں اور جو دل میں آتا ہے لکھتے جاتے ہیں خواہ دلیل ہو یا نہ۔ اللہ سمجھ دے۔ آمین۔

سوال نہم

"حدیث میں جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی اُمت کے تہتر فرقے ہونے فرمائے ہیں۔ یہ تہتر فرقے اُمتِ اجابت کے یا اُمتِ دعوت کے ہیں۔ اگر اُمتِ اجابت کے ہیں تو حاصل یہ ہوا کہ تہتر کے تہتر مسلمان اور مسلمان کے لئے آخر نجات لازم تو ہے۔ پھر بہتر کا ناری اور ایک کا ناجی ہونا اس کے کیا معنی ہیں؟ اور اگر اُمتِ دعوت مراد ہے یعنی سب کافر اور مسلمان مراد ہیں تو یہ معنی کسی محدث نے کئے بھی ہیں یا نہیں؟ پھر تہتر کی کیا تخصیص، کفار تو بہت سے ہیں اور "الحدیث" کے پرچہ میں جو کسی صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ مقلدین ائمہ اربعہ سب کیسے ناجی ہو سکتے ہیں۔ ناجی تو ایک ہی ہوگا۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ اس واسطے کہ اب تو حاصل یہ ہوا کہ بہتر تو کفار کے رہے جو مسلمان نہیں اور مسلمان سب ۲، میں رہے تو جب تمام ہی اسلام کے فرقے ناجی ہوئے تو جہاں سب جنت میں جائیں گے۔ ان بیچارے مقلدوں کے حال پر بھی رحم فرمائیے"۔ انتہیٰ (حوالۂ مذکور)

جواب

مولانا مرتضیٰ حسن صاحب معمولی سی بات میں اُلجھ رہے ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ اُمت سے مراد اُمتِ اجابت ہے کیوں کہ آپ آئندہ کی خبر دے رہے ہیں اور کفار کے فرقے تو اُس وقت بھی موجود تھے اسی لئے اُمتِ دعوت کسی نے بھی مراد نہیں بتلائی۔ پھر مولانا مرتضیٰ حسن صاحبؒ نے ایک یہ غلطی کی ہے۔ کہ اُمتِ اجابت سے وہ مسلمان سمجھ رہے ہیں جن کے لئے آخر نجات ہے حالانکہ اُمتِ اجابت سے مراد وہ ہیں جن کا دعویٰ اسلام کا ہے۔ خواہ شرع اُن کو مسلمان کہے یا نہ۔

اصولِ حدیث میں اہلِ بدعت کی دو قسمیں لکھی ہیں ایک وہ جن کی بدعت حدِ کفر کو نہیں پہنچی۔ جن کی مثال آج کل کے لحاظ سے روٹی پر ختم پڑھنا اور چالیسواں وغیرہ کرنا ہے۔ اور ایک وہ جن کی بدعت حدِ کفر کو پہنچ گئی، جیسے مولود مروّج پڑھنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر سمجھنا اور مرزا کو نبی ماننا یا قرآن کے سوا باقی وحی یعنی احادیث سے انکار کرنا جیسے چکڑالوی کرتے ہیں۔ یہ سب امت اجابت ہیں اور سب ناری ہیں۔ صرف فرق اتنا ہے کہ پہلی قسم دوزخ میں رہ کر آخر نجات پائے گی۔ اور دوسری قسم مُخَلَّدٌ فی النار، یعنی ہمیشہ کے لئے دوزخی ہے۔ مقلدین جو تقلید میں سخت ہیں اور قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے بھی امام کے قول کو نہیں چھوڑتے وہ ان دونوں قسموں سے ایک میں ضرور داخل ہیں پس وہ ما انا علیہ واصحابی کے ماتحت نہیں آسکتے کیونکہ ما انا علیہ واصحابی ناری نہیں۔

رہا مولانا مرتضیٰ حسن صاحب کا یہ کہنا کہ ان بے چارے مقلدوں کے حال پر رحم فرمائیے۔ سو ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مقلدوں کے حال پر رحم فرمائے اور ان کو راہِ راست کی توفیق بخشے اور اسی پر ہمارے اور ساتھ ہمیں بھی ثابت قدم رکھے اور خاتمہ بالخیر کرے۔ آمین

سوال دہم

تہترواں فرقہ جو ناجی ہے جس کو ما انا علیہ واصحابی کر کے فرمایا ہے جس طریقہ پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور جس طریقہ پر آپ کے اصحابؓ ہیں۔ یہ ایک ہی فرقہ ہے یا دو؟ اگر دو ہیں تو بجائے ۷۳ کے ۷۴ ہو گئے۔ دوسرے جو فرقہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مخالف ہیں وہ ناجی کیسے ہو سکتا ہے؟ ما انا علیہ واصحابی کا معاذ اللہ ناری ہونا لازم آتا ہے۔ تیسرے اگر ہر صحابی کا طریقہ علیحدہ مراد لیا جائے۔ تو بجائے تہتر کے ہزارہا ہو گئے اور سب ناجی، تو ایک ناجی نہ رہا بلکہ ۷۲ ناری اور ہزارہا ناجی ہوئے جو خلافِ حدیث ہے اور اگر یہ غرض ہے کہ ما انا علیہ واصحابی ایک ہی ہے یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ اور آپ کے ہر صحابی کا وہ آپ ہی کا طریقہ ~~ہے صلی اللہ علیہ وسلم~~۔ اور

ہر صحابی ناجی اور جو شخص بھی کسی صحابی کی پیروی کرے گا اور جو صحابی نے کیا وہ کرے گا یا جو فرمائیں وہ کرے گا تو وہ سب ناجی ہیں تو بجائے ائمہ اربعہ کے ہزار ہا کی تقلید ثابت ہوگئی اور چار کے پیروؤں کا کیا ہزاروں کے مقلدین کا ناجی ہونا ثابت ہوگیا۔" انتہیٰ۔

جواب:- مولانا مرتضیٰ حسن صاحب جان بوجھ کر الجھن میں پڑتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا ایک ہی طریق ہے مگر ایک ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ایک صحابی ایک شے کو حلال کہے اور دوسرا حرام کہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ شے حلال بھی ہوگی اور حرام بھی۔ مثلاً عبداللہ بن مسعودؓ اور عمرؓ کے نزدیک جنبی کو پانی نہ ملے تو نماز نہ پڑھے اور باقی صحابہ کہتے ہیں کہ نماز پڑھے۔

اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جس عورت کا خاوند بغیر ہمبستری کے مر جائے اور مہر بھی مقرر نہ ہو تو وہ چار ماہ دس دن عدت بھی بیٹھے گی میراث اور مہر بھی لے گی اور علیؓ اور زید بن ثابتؓ اور عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ چار ماہ دس دن عدت بیٹھے گی اور میراث بھی لے گی لیکن مہر کی مستحق نہیں جیسے ترمذی وغیرہ میں ہے۔

اس قسم کے صحابہ میں اختلافات بہت ہیں۔

پس اب یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنبی کے لئے تیمم کا حکم دیا بھی ہے اور نہیں بھی دیا، اور عورت مذکور کو مہر کا مستحق بنایا بھی ہے اور نہیں بھی بنایا گویا وحی میں اختلاف کا قائل ہونا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں وارد ہے وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ یعنی آپ خواہش سے نہیں بولتے بلکہ وحی سے بولتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ وحی میں اختلاف نہیں ہو سکتا۔ قرآن میں ہے: لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً یعنی" اگر قرآن غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔"

اور اصولِ فقہ میں بھی یہ مسئلہ بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ ہر مجتہد مصیب نہیں ہوتا۔ چنانچہ

صفحہ ۸۵ میں بھی گذر چکا ہے پس معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے طریقے کے ایک ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ صحابہؓ کے اختلافات بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت ہوں بلکہ ایک ہونے کا یہ مطلب ہے کہ جس بات میں صحابہؓ کا اختلاف نہ ہو وہ اور اختلاف کی صورت میں جو بات دلیل کی رُو سے راجح ہو (جیسے جنبی کے لئے تیمم کے ساتھ نماز کا ضروری ہونا اور عورت مذکورہ کا مہر کا مستحق ہونا) یہ صراحۃً یا حکماً ایک طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا طریقہ ہے اور یہی اہلحدیث کی روش ہے اور رات دن اسی پر زور دیتے ہیں۔ خواہ اس کا نام کوئی تقلید رکھے یا اتباع، چنانچہ صفحہ ۶۰۰ میں گذر چکا ہے۔

سوال یازدھم:

"کمال یہ ہے کہ تقلید شخصی بھی حدیث سے صراحۃً ثابت ہوئی یعنی تمام دین میں اگر ایک صحابی کی بھی پیروی کرے گا تو وہ ناجی ہے اور یہی تقلیدِ شخصی ہے۔ اور اگر یہ مراد ہے کہ تمام صحابہ کے مجموع من حیث المجموع طریقہ پر عمل کیا جائے تب ناجی فرقہ میں شمار ہوگا تو یہ عقلاً و نقلاً محال ممتنع ہے۔ کیوں کہ صحابہ میں بھی فروع میں اختلاف ہے۔ کوئی رفعیدین کوئی عدمِ رفعیدین کا کوئی آمین بالجہر کوئی آہستہ کہنے کا قائل تھا اور یہ محال ہے کہ آدمی ہر نماز میں رفع و عدمِ رفع، آمین بالجہر و بالخفض قراءۃ فاتحہ اور عدمِ قراءۃ فاتحہ اجماع نقیضین کرے تو اس صورت میں تمام اُمت کا ناری ہونا لازم آتا ہے بلکہ دخول جنت محال ہے۔ اور خود مذہب اسلام معاذ اللہ ایک لغو اور باطل اور مجموعہ ضدین و اجماع نقیضین کا خلاصہ ہوگا اور اسی کے ساتھ ہر ہر صحابی کی نجات بھی محال ہو جائے گی کیوں کہ ہر صحابی کا کہیں وہ مذہب تھوڑا ہی ہے جو کل صحابہ کا ہے۔ لہٰذا یہ احتمال بھی بالکل غلط ہے بلکہ صحیح وہی ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ہر ہر صحابی کا قول و فعل رُشد و ہدایت اور موجب نجاتِ اُخروی ہے اور اس صورت میں ہر صحابی کی تقلیدِ شخصی اور اس سے تقلیدِ ائمہ صراحۃً ثابت ہوتی ہے جو مقصود ہے اور اگر حضرات غیر مقلدین کے نزدیک یہ احتمال قوی نہیں تو جو احتمال صحیح ہو، اس کو بیان فرمائیں۔

حضرات! حاصل یہ ہے جو کوئی شخص جس طرح آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قول و فعل پر بلا چون وچرا عمل کرے گا اور یہ تقلید منجی ہے اسی طرح آپ کے ہر صحابی کی تقلید بھی منجی ہے کسی صحابی کے کسی فعل اور قول کی دلیل معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، وھو التقلید نیز یہی مضمون اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم کا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شمس ہدایت ہیں آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نجوم ہدایت۔ ضلالت کی ظلمت نہ شمس میں ہو سکتی ہے نہ ستارہ میں جس کی اتباع کرے ناجی۔ اور جب یہ بات معلوم ہو گئی، تو دلیل کی طلب اگر جنون نہیں تو کیا ہے؟ دلیل تو اسی لئے طلب کی جاتی ہے کہ اتباع میں گمراہی نہ ہو۔ جب ہدایت ہی ہدایت ہے تو طلب دلیل کی ضرورت نہیں، تقلید ضرور منجی ہے۔ فتدبروا فیہ۔

فرمایئے! کیسے سہل طریقہ سے تقلید ثابت ہو گئی اور سب مقلدین ائمہ اربعہ کا ناجی ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ کیوں کہ ہر امام کسی نہ کسی صحابی کے قول یا فعل کا متبع ہے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ آپ تقلید کو قبول فرمائیں گے یا جواب میں مجتہدانہ طرز اختیار رہے گی۔ گو ابھی بحث نہ تھی۔ مگر تقلید شخصی بھی حدیث ہی سے ثابت ہو گئی۔ کسی صاحب کو یہ خدشہ نہ ہو کہ اس تقریر سے لازم آتا ہے کہ جیسے مقلد امام کہا جاتا ہے۔ جب سب جگہ تقلید ہی تقلید ہے تو مقلد اللہ تعالے اور مقلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہیں کہا جاتا؟ تو ہمارے نزدیک تو جواب یہ ہے کہ یہ تخصیص بحسب[1] الاصطلاح ہے ورنہ باعتبار اصل معنی کے بے شک سب مقلد ہیں۔ تقلید کے معنی کو تقلید ائمہ میں غلبہ ہو گیا ہے اور کافیہ میں پڑھا ہو گا۔ الوصف شرطہ الغلبۃ فتدبر فیہ۔

پس اصل معنی کے اعتبار سے سب جگہ تقلید صادق آتی ہے۔ گو بحسب الاستعمال وہاں تقلید کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا اور اس میں کچھ حرج نہیں۔ اور اگر یہ جواب پسند خاطر نہ ہو تو اس سے عمدہ جواب

---

[1] مقلد اللہ و مقلد رسول نہ کہنا یہ تخصیص بحسب الاصطلاح نہیں بلکہ اللہ و رسول کی بات کو لینا واقعہ میں تقلید ہی نہیں۔ چنانچہ صفحہ ۷۹ ۔ ۸۰ میں تفصیل ہو چکی ہے۔

حضرات مجتہدین زمانہ عنایت فرمائیں ہمیں قبول میں کیا عذر ہے ؟ انتہیٰ۔

جواب:

ناظرین خیال فرمائیں کہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب سیدھی سادی بات کو کتنا پیچیدہ بنا رہے ہیں۔ اتنا خیال نہیں کرتے کہ جب تمام صحابہؓ کے اقوال آپس میں ضدین اور نقیضین ہیں اور اسی وجہ سے ان پر عمل ناممکن ہو گیا ہے اور اسی وجہ سے اسلام ایک لغو اور باطل مذہب ٹھہرتا ہے۔ تو کیا یہ سب متضاد اور متناقض اقوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں تو آپؐ کا اور صحابہؓ کا طریق ایک نہ ہوا۔ جیسے اُوپر تفصیل ہو چکی ہے۔

پس صحیح معنی اس حدیث کے وہی ہوئے جو ہم نے بیان کئے ہیں یعنی جس بات میں صحابہؓ کا اختلاف نہ ہو وہ اور اختلاف کی صورت میں راجح قول یہ دونوں ایک طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق ہے پس تقلیدِ شخصی ثابت نہ ہوئی۔

اور حدیث اصحابی کالنجوم ثابت نہیں۔ چنانچہ امام شوکانیؒ نے القول المفید کے صفحہ ۹ میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور میزان الاعتدال جلد اوّل صفحہ ۱۶۷ میں اس حدیث کے راوی جعفر بن عبدالواحد کی بابت دارقطنی سے نقل کیا ہے کہ یہ جھوٹی حدیثیں بناتا ہے اور ابوزرعہ سے نقل کیا ہے کہ اس نے بے اصل حدیثیں روایت کی ہیں۔ اور انہی احادیث سے ایک حدیث اصحابی کالنجوم ذکر کی ہے۔ اور میزان الاعتدال کے صفحہ ۳۲۴ میں زید عمی کے ترجمہ میں اس حدیث کو باطل قرار دیا ہے۔ نیز رسالہ ہذا کے صفحہ ۲۵ پر مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے پیر مولانا مرتضیٰ حسن صاحب سے ہم نقل کر چکے ہیں کہ حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔ نیز وہاں اور بحث بھی اس حدیث کے متعلق گذر چکی ہے جو قابل دید ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث صحابہؓ کے متعلق ہے اور صحابہ پر اماموں کو قیاس کرنا صحیح نہیں کیونکہ صحابہؓ

کے جس قول میں قیاس کو دخل نہ ہو اور نہ اسرائیلیات کی قسم سے ہو یا اسرائیلیات کی قسم سے ہو لیکن وہ اصحابی اسرائیلیات سے نہ لیتا ہو تو وہ محدثین کے نزدیک حکماً مرفوع حدیث ہے۔ چنانچہ اصول میں اس کی تصریح کی ہے۔ اور اماموں کے قول کو کسی نے حکماً مرفوع حدیث نہیں کہا تو پھر اماموں کو صحابہؓ پر کس طرح قیاس کرتے ہیں؟ اسی طرح صحابہؓ کے دوسرے اقوال بھی اس کے قریب قریب ہیں۔ کیوں کہ انہوں نے سب کچھ مشاہدہ کیا ہے۔ وحی ان کے سامنے اُترتی تھی تو اگر ان کی بات حجت ہو تو اس سے اماموں کی بات کا حجت ہونا لازم نہیں آتا۔ اسی بناء پر امام شوکانیؒ القول المفید میں لکھتے ہیں:۔

واحتجوا ایضا بقوله صلی الله علیه وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین من بعدی . . . . وقوله صلی الله علیه وسلم اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر وعمر . . . والجواب . . . . . انا لم ناخذ بسنة الخلفاء الراشدین ولا اقتدینا بابی بکر وعمر رضی الله عنهما الا امتثالاً لقوله صلی الله علیه وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین وبقوله اقتدوا باللذین من بعدی فکیف یساغ لکم ان تستدلوا بهذا الذی ورد فیه النص علی مالم یرد فیه فهل تزعمون ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال علیکم بسنة ابی حنیفة ومالك والشافعی وابن حنبل حتی یتم لکم ما تریدون فان قلتم نحن نقیس ائمة المذاهب علی هؤلاء الخلفاء الراشدین فیا عجبا لکم کیف ترتقون الی هذا المرتقی الصعب . . . . .

فان رسول الله صلی الله علیه وسلم انما خص الخلفاء الراشدین و جعل سنتهم کسنته فی اتباعها الامر یختص بهم ولا یتعداهم الی غیرهم (ملخصاً ص۹)

ومن جملة ما استدلوا به حديث اصحابي كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم والجواب.... ان هذا الحديث لم يثبت عن رسول الله صلى الله عليه وسلم..... ثم لو كان مما تقوم به الحجة فما بالكم ايها المقلدون وله فانه تضمن منقبة للصحابة ومزية لا توجد لغيرهم فماذا تريدون منه...... فان هذا الحديث لو صح لكان الاخذ باقوال الصحابة ليس الا لكونه صلى الله عليه وسلم ارشدنا الى ان الاقتداء باحدهم اهدى... فلم نخرج عن العمل بسنة رسول الله ولا قلدنا غيره..... فان تثبتون لائمتكم هذه المزية قياسًا فلا عجب مما افتريتموه وتقولتموه ؛ (ملخصًا صلـ)

ترجمہ، یعنی" مقلدین اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ میری سُنّت اور میرے خُلفائے راشدین کی سُنّت کو لازم پکڑو۔ اور دو شخصوں ابی بکرؓ اور عمرؓ کی اقتداء کرو۔ اور جواب اس کا یہ ہے کہ ہمارا خُلفاء کی سُنّت کو پکڑنا اور ابی بکرؓ اور عمرؓ کی اقتداء کرنا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے ہے۔ کیا اماموں کی بابت بھی یہ آیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی سنّت کو لازم پکڑو۔ اگر تم کہو کہ ہم اماموں کو خُلفاء پر قیاس کرتے ہیں تو تم پر بڑا عجب ہے کہ ایسی سخت بات کہتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خُلفاء کو تو کسی امر کی وجہ سے خاص کیا ہے جو ان کے سوا اوروں میں نہیں پایا جاتا۔

اور مقلدین حدیث اصحابی کالنجوم سے بھی استدلال کرتے ہیں اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہوئی۔ اگر بالفرض ثابت ہو جائے

تو اس میں صحابہؓ کی فضیلت پائی جاتی ہے جو اوروں میں نہیں۔ اور صحابہ کے اقوال کا لینا محض اس وجہ سے ہے کہ رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ ان سے کسی کا قول لینا ہدایت ہے۔ اگر تم قیاس کر کے اماموں کے لئے بھی یہی فضیلت ثابت کرو تو اس افترا اور جھوٹ سے نہایت تعجب ہے۔"

امام شوکانیؒ نے ان تینوں روایتوں کا جو یہ جواب دیا ہے کہ اماموں کو صحابہؓ پر قیاس کرنا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ جو بات اُن میں ہے وہ اماموں میں نہیں۔ اس کی تفصیل وہی ہے جو ہم نے کی ہے۔ یعنی صحابہؓ کے کئی اقوال حکماً مرفوع ہیں۔ اور کئی ان کے قریب ہیں۔ کیونکہ وہ وحی کا مشاہدہ کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو دیکھتے بھالتے ہیں۔ اور لہجہ اور طرز بات کو خوب سمجھتے ہیں۔ الشاهد يرى ما لا يراه الغائب۔ یہ باتیں اماموں میں نہیں ہیں۔ پس صحابہؓ کے اقوال کے حجت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اماموں کے اقوال بھی حجت ہوں۔

پھر صحابہؓ میں تقلید شخصی کا نام و نشان نہ تھا۔ چنانچہ صفحہ ۳۱ میں گذر چکا ہے کہ (خیر قرون میں کیا، بعد بھی کسی نے صحابہؓ کی تقلید شخصی نہیں کی یعنی ایسا نہیں ہوا کہ ہر مسئلہ میں ایک ہی صحابی کی مانی جاتی ہو تو پھر اماموں کی تقلید شخصی کیسے جائز ہوگی۔ پس معلوم ہوا کہ اگر بالفرض حدیث اصحابی کالنجوم ثابت ہو جائے تو اس کا مطلب تقلید شخصی نہیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ اگر ایک صحابی کا قول مل جائے خواہ کسی کا ہو اور اس کے خلاف کسی صحابیؓ کا کوئی قول معلوم نہ ہو تو اس قول کی اقتداء ہدایت ہے۔ اپنی رائے اس کے مقابلہ میں ترک کر دینی چاہئیے۔ اور اگر صحابہؓ کا اختلاف ہو تو جو دلیل کی رو سے راجح ہو اُس پر عمل کرے۔ جیسے جنبی کے لئے تیمم کے بارے میں اگر کوئی شخص عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا قول لے تو یہ ہدایت نہیں بلکہ باقی صحابہؓ کے قول لینے میں ہدایت ہے۔ اسی طرح عورت مذکورہ کے بارے میں علیؓ، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کا قول لینا درست نہیں بلکہ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول لینا چاہیئے۔ اسی طرح جماعت میں دو مقتدی ہوں تو اس بارے میں عبداللہ بن مسعودؓ کا قول لینا درست نہیں کیونکہ وہ ایک کو امام کی دائیں طرف کھڑا کرتے اور ایک کو بائیں طرف بلکہ دونوں کو پیچھے کھڑا کرنا چاہئیے جیسے باقی صحابہؓ کا خیال ہے۔

اسی طرح تطبیق کے مسئلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کے قول پر عمل نہ کرے یعنی رکوع میں دونوں ہاتھ جوڑ کر دونوں گھٹنوں کے درمیان نہ رکھے بلکہ باقی صحابہ کے قول پر عمل کرے جیسے اب عام طور پر نماز پڑھتے ہیں۔ کہ دونوں ہاتھ دونوں گھٹنوں پر رکھتے ہیں۔ اس قسم کے بہت سے اقوال ہیں جیسے آمین، رفع یدین، فاتحہ وغیرہ، جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس حدیث سے صحابہؓ کی تقلید شخصی ثابت نہیں ہوتی چہ جائیکہ اماموں کی ثابت ہوئی۔

سوال دوازدھم

"مسلمانوں کی بے شمار تعداد جن کا بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو بھی علم نہیں۔ بالکل بے پڑھے لکھے نہ دلیل کو جانیں نہ حکم کو مسلمانوں کے یہاں پیدا ہوئے محض تقلید آبائی کی وجہ سے مسلمان ہوئے۔ اور اسلام پر ہی خاتمہ ہوا۔ حضرات غیر مقلدین کے نزدیک ان لوگوں کا اسلام مقبول ہے یا بوجہ تقلیدی ایمان کے معاذاللہ العظیم سب کافر اور جہنمی ہیں"

سوال سیزدھم

" اور اگر کرم فرما کر ان بے چارے بے پڑھے لکھے مسلمانوں کے حال پر رحم کیا جاوے اور اس تقلیدی ایمان کا اعتبار ہو تو سوال یہ ہے کہ جب ایمان میں تقلید معتبر ہے اور جنت کا استحقاق ہے تو رفع یدین۔ آمین۔ بالجہر وغیرہ جزئیات مسائل میں یہ لوگ تقلید کر کے کیسے گمراہ، بے دین اور جہنمی ہوں گے؟

سوال چہاردھم

اور جاہل تو جاہل پڑھے لکھے بلکہ بہت سے غیر مقلدین کے علماء بھی اکثر مسائل کے دلائل نہیں جانتے اور پھر بھی اہلحدیث جنت کے مالک سمجھے جاتے ہیں، تو کیا نجات کے لئے یہی کافی ہے کہ آدمی اپنے کو غیر مقلد کہہ دے؟ اور رفع یدین آمین بالجہر وغیرہ

کی چند حدیثیں یاد کرے اور باقی تمام یا اکثر اصول فروع کے دلائل سے بے خبر ہو کر غیر مقلد ہو اور نجات پا جائے ؟

سوال پانزدھم

یہ تو ان مسلمانوں کا حال تھا کہ جو مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے، اب عرض یہ ہے کہ اگر کوئی کافر بے دلیل معلوم کئے مسلمان ہو جائے اور تمام احکام شرعیہ پر صرف تقلیداً ہی عمل کرتا کرتا مر جائے تو اہلحدیث زمانہ کے نزدیک یہ مسلمان ہے یا کافر کا کافر ہی رہا؟ اگر یہ تقلید معتبر ہے تو پھر جزئیات مسائل میں کیوں ناجائز ہے ؟

سوال شانزدھم

اور اگر اس کا اسلام معتبر نہیں تو اسی طرح اگر کوئی مسلمان العیاذ باللہ العظیم محض تقلید سے بلا کسی دلیل کے مرتد ہو جائے تو اس کا تقلیدی کفر بھی معتبر ہوگا یا یہ مسلمان کا مسلمان ہی رہے گا ؟ اگر یہ کافر ہے تو وہ مسلمان کیوں نہ ہوگا ؟ (انتہیٰ ملخصاً)

جواب

یہ پانچ سوال قریباً قریباً ایک ہی ہیں۔ ان کا جواب نمبر ہم کے صفحہ ۱۰۱ میں گزر چکا ہے، کہ انسان کی فطرت اس بات پر واقع ہے کہ جس بات کا اس کو علم نہیں ہوتا، علم والوں سے پوچھتا ہے۔ خواہ ایمان ہو یا رفع یدین، آمین وغیرہ جزئیات ہوں اور خواہ اصول سے ہو یا فروع سے اور آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر بھی اسی کی مؤید ہے اور اسی کا انسان مکلف ہے کہ اپنی حسب حیثیت تحقیق کرے اس کے بعد خواہ اس کو اس بات کا علم ہو یا نہ، وہ نجات کا مستحق ہے۔ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا خواہ اس کا نام کوئی تقلید رکھے یا اتباع، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ ہاں ایک امام کے مذہب کی تعیین جائز نہیں۔ چنانچہ نمبر۱ نمبر۹ اور نمبر۱۱ وغیرہ میں تفصیل ہو چکی ہے۔

اس کے علاوہ اگر بالفرض ایمان میں تقلید مُعتبر ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فروعات میں بھی تقلید مُعتبر ہو۔ ایمان میں اور فروعات میں بہت بڑا فرق ہے۔ کیونکہ ایمانیات میں غلطی کم لگتی ہے۔ اسی لئے اہلِ سُنّت کے عقائد میں کوئی ایسا اختلاف نہیں، برخلاف فروعات کے کہ ان میں غلطی کا شُبہ قوی ہے۔ اسی لئے امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں:۔

حرام علی من لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی۔ یعنی" جو میرے قول کی دلیل نہ پہچانے اس کو میرے قول پر فتوٰے دینا حرام ہے" چنانچہ صفحہ ۸۵ میں گذر چکا ہے۔ فافھم فتامل فیہ[1]

تعجب

مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب نے ایک دو باتیں ان نمبروں میں عجیب کہی ہیں۔ ایک یہ کہ غیر مقلدین کے علماء بھی اکثر مسائل کے دلائل نہیں جانتے۔" مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب کا یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کسی عالم کو کوئی کہہ دے کہ تو جاہل ہے۔ دوسری بات یہ کہ" اگر کوئی کافر بے دلیل معلوم کئے مسلمان ہو جائے اور تمام احکامِ شریعت پر صرف تقلیداً ہی عمل کرتا کرتا مرجائے تو یہ مسلمان ہے یا کافر؟" ناظرین خیال فرمائیں کہ کیسی فرضی صورت کا سوال ہے گویا اسلام کی اس کو روشنی نہیں لگی۔ اور ویسے ہی اپنا مذہب جس کو پہلے حق جانتا ہے چھوڑنے پر تیار ہو گیا ہے اور پھر آئندہ بھی تمام احکام پر تقلیداً ہی عمل اس کے حصہ میں آیا ہے گویا اُس نے التزام کیا ہے کہ میں دلیل کے نزدیک نہیں جاؤں گا۔ اور کسی کا وعظ کلام بھی نہیں سُنوں گا تاکہ کوئی دلیل سمجھ میں

---

[1] اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ صفحہ میں گذر چکا ہے کہ ایمان میں تقلید نہیں اور یہاں کہا ہے کہ فروعات میں تقلید نہیں تو معلوم ہوا کہ حتی الوسع کسی میں بھی تقلید نہیں۔ عقائد میں اس لئے نہیں کہ ان کا معاملہ نازک ہے اور ان پر ایمان و کفر کا مدار ہے اور فروعات میں اس لئے نہیں کہ ان میں اختلاف بہت ہے اور غلطی کا شُبہ قوی ہے۔ اسی لئے امام ابوحنیفہ صاحبؒ کی دلیل کی معرفت کے بغیر کسی کو اجازت نہیں دیتے کہ اُن کے قول پر فتوٰے دے۔ فافھم ۱۲۔

نہ آجائے بلکہ کوئی دلیل ویسے ہی ذہن میں آجائے اُس کو بھی روک دُوں گا۔ تیسری بات ان دوسے بھی عجیب ہے، وہ یہ کہ سولہویں سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کے نزدیک اگر اسلام کے لئے دلیل ہو تو کفر کے لئے بھی دلیل ہونی چاہیئے۔ اور اتنا نہیں سمجھتے کہ کفر پر اگر کوئی دلیل ہو تو وہ کفر ہی کیوں ہو مثلاً غیر اللہ کی پُوجا کفر ہے۔ اگر غیر اللہ کی پُوجا پر کوئی دلیل ہو تو پھر اُس کو کفر کہنا صحیح نہیں۔ اور اگر کُفر کے کُفر ہونے پر دلیل مراد ہے۔ مثلاً کوئی دیکھا دیکھی غیر اللہ کی پُوجا کرے اور اس کو اس کے کفر ہونے کی دلیل معلُوم نہیں تو جیسے یہ تقلید سے کافر ہوگا، اسی طرح تقلیدی اسلام بھی مُعتبر ہوگا تو یہ اور عجب ہے کیونکہ کفر کا تقلید کے ذریعہ سے حاصل ہونا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلام بھی تقلید کے ذریعہ سے حاصل ہو۔ دیکھئے صحت اور مرض دونوں مقابل ہیں اور صحت کے لئے شرط ہے کہ طبیعت کے خلاف شئے کا استعمال نہ کرے۔ تو کیا مرض کے لئے بھی یہ شرط ہے؟ ٹھیک اسی طرح جن لوگوں کے نزدیک ایمان کے لئے دلیل ضروری ہے۔ اُن کے نزدیک تقلید سے ایمان زائل ہوگا نہ کہ حاصل ہوگا۔ پس ضرور ہے کہ ان کے نزدیک تقلید پیش خیمہ کفر کا ہو، نہ کہ اسلام کا۔ فافہم۔

سوال ھفتدھم

"یہ چند سوالات تو عوام کی تقلید آبائی کے متعلق تھے۔ قرآن مجید میں جو مذکور ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے دریافت فرمایا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے جواب میں یہی فرمایا کہ[1] نعبد الٰھك والٰہ اٰباءك ابراھیم واسماعیل واسحاق الٰھا واحدا ونحن لہ مسلمون۔ پ۱۔ ہم آپ کے خدا اور آپ کے آباء ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق

---

[1] اس آیت کا ذکر یہاں بے محل ہے کیونکہ اس میں عبادت کا ذکر ہے جو خدا کا خاصہ ہے نہ کہ تقلید کا اور اتباع کا اور اللہ کی نسبت باپ دادوں کی طرف اس لئے کی ہے کہ لوگوں نے اپنے اپنے معبود الگ الگ بنا رکھے ہیں۔ ان سے

علیہم السلام کے خدا کی بندگی کریں گے"۔

علیٰ ہذا القیاس یوسف علیہ السلام کا یہ فرمانا واتبعت ملۃ اٰبائی ابراھیم واسحاق و یعقوب یعنی "میں نے اپنے آباء واجداد کی ملت کی اتباع کی، تو اگر ہر جگہ آبائی بات کی اتباع تقلید مذموم ہے تو حضرات انبیاء علیہم السلام کی نسبت کیا رائے ہے؟

واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نسبت یہ خیال کون شخص کر سکتا ہے کہ ان کو وجود باری تعالےٰ یا وحدانیت یا اسلام کی حقانیت کے دلائل معلوم نہ تھے۔ فتدبر فیہ فان ھذا القول قبل النبوۃ او بعدھا۔ مطلب صرف یہ ہے کہ آنحضرات علیہم السلام نے اپنے مذاہب حقہ کو تقلید[1] کی صورت میں ظاہر فرما کر یہ بتا دیا کہ فقط تقلیداً ایمان ہی کافی ہے"۔ انتہیٰ ملخصاً۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ:۔ برارت ہو جائے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں جادوگروں نے ایمان لانے کے وقت کہا تھا "اٰمنا برب العالمین رب موسیٰ وھارون" "ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کا رب ہے" پھر یہ نبوت کے بعد کا واقعہ ہے کیونکہ یہ یعقوب علیہ السلام کی وفات کا وقت ہے۔ اور یوسف علیہ السلام اپنے والد (یعقوب علیہ السلام) کی حیات میں نبی ہو چکے تھے۔ چنانچہ سورۃ یوسف کے تیسرے رکوع میں مذکور ہے اور پانچویں رکوع میں خوابوں کی تعبیر کا علم دیا جانا بھی اسی کو چاہتا ہے پس اس آیت کو تقلید کے ضمن میں ذکر کرنا بالکل ٹھیک نہیں ورنہ لازم آئے گا کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی وجود باری اور وحدانیت کے دلائل کا علم نہ ہو۔ معاذ اللہ

[1] تقلید کی صورت میں نہیں بلکہ اتباع کی صورت میں اور دلائل کی روشنی میں موافقت ظاہر کی ہے جس سے یوسف علیہ السلام کے دو مقصد تھے ایک دین کی شہرت لعدقدر کیونکہ مشہور ہستیوں کی طرف نسبت کرنے سے شے کی عزت وقدر دل میں زیادہ ہو جاتی ہے۔ دوم، اس دین کا قدیم ہونا، تاکہ سننے والے کے دل میں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ یہ نیا دین لے کر آیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ فرماتا ہے قل ما کنت بدعا من الرسل یعنی کہہ دے کہ میں کوئی نیا رسول نہیں"۔

جواب

انبیاء علیہم السلام کا اتباع تو ہر مسلمان کا نصب العین ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں خواہ اس کا نام کوئی تقلید رکھے یا اتباع، مگر درحقیقت یہ تقلید نہیں چنانچہ صفحہ ۸۰ میں گذر چکا ہے۔

تعجب ہے کہ مولانا مرتضیٰ حسنؒ صاحب نے یوسف علیہ السلام کے اس کہنے کو، میں نے اپنے آباد و اجداد (ابراہیم علیہ السلام وغیرہ) کی اتباع کی تقلید کہا ہے۔ حالانکہ اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو وجود باری اور وحدانیت کے دلائل معلوم تھے۔ پھر جب دل میں خیال آیا کہ تقلید میں تو دلائل کا علم نہیں ہوتا تو جھٹ بدل کر عربی میں کہتے ہیں: فان ھذا القول قبل النبوۃ او بعدھا یعنی "حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ کہنا نبوت سے پہلے ہے یا بعد؟ ناظرین خیال فرمائیں کہ یہ کلام کیسا مہمل ہے۔ جب یوسف علیہ السلام کا یہ کلام نبوت کے بعد بھی مسلم ہے تو پھر اس کو تقلید کہنا کیونکر صحیح ہوگا؟ کیا معاذ اللہ نبوت کے بعد بھی دلائل کا علم نہیں ہوتا؟ پھر صلہ[1] میں گذر چکا ہے کہ ایمان میں تقلید نہیں تو اس صورت میں نبوت سے پہلے بھی تقلید نہیں کہہ سکتے۔ خاص کر جب ان کا ضمیر دوسرے بزرگوں کی نسبت نبوت سے پہلے زیادہ روشن ہو۔

اس کے علاوہ اور سنیے:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا

یعنی "پھر تیری طرف ہم نے وحی کی کہ دین ابراہیمؑ کی اتباع کر"

حالانکہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توحید وغیرہ کے دلائل سے بے خبر نہ تھے، بلکہ

---

[1] نبوت سے پہلے کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ نبوت کے ملنے کا ذکر اس سے پہلے اسی سورۂ یوسف کے رکوع ۳ میں گذر چکا ہے اور قصہ ترتیب وار چلا آرہا ہے اور خوابوں کی تعبیر کا علم دیئے جانا بھی اسی کو چاہتا ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت کسی کو اس بات کا وہم بھی نہیں گذر سکتا کہ آپ معاذ اللہ دلائل سے بے بہرہ ہوں۔ خصوصاً جب کہ قرآن میں ارشاد ہے۔ قل ھٰذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔ یعنی "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دے کہ میں علی وجہ البصیرت (یعنی بادلیل) اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اسی طرح جس نے میری اتباع کی وہ بھی علی وجہ البصیرت اللہ کی طرف بلاتا ہے"

ناظرین خیال فرمائیں کہ مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اپنے مطلب کے لئے آیتوں کو کیسے اُلٹ پلٹ کر رہے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی مقلد کہہ کر بے علم بنا دیا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بصیرت پر نہ ہوں۔ معاذ اللہ

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں　　　تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

اللہ تعالیٰ ان کو سمجھ دے کہ ایسے حملوں سے باز رہیں اور آیات اللہ میں تحریف کرنے سے بھی پرہیز کریں۔

وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

ضمیمہ

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی تحریر جو شروع رسالہ میں گذر چکی ہے۔ اس کا ایک جواب مولانا محمد سعید صاحب بنارسی مرحوم نے بھی دیا تھا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کو بھی اپنے جواب کے ساتھ شائع کر دیں کیونکہ وہ بھی بہت مُفید ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب تحریر مولانا رشید احمد صاحبؒ جو آپ نے اثباتِ تقلید میں لکھی تھی

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد والہ واصحابہ اجمعین۔ اما بعد:
خاکسار راجی رحمۃ ربہ المجید محمد سعید گزارش کرتا ہے کہ ایک تحریر مولانا رشید احمد صاحبؒ کی درباب وجوب تقلید شخصی کے رسالہ "ہدایۃ المعتدی" کے اخیر میں نظر سے گزری۔ مولانا صاحبؒ کے اس فہم پر نہایت تعجب ہے کہ ایسے بڑے محدث کہلائیں اور یہ فہم۔ حضرات ناظرین! پہلے ہم نے مولانا صاحبؒ کی خدمت میں گذارش کی تھی کہ آپ کی چھیڑ چھاڑ سے باز آیئے۔ مگر مولانا صاحبؒ نے ہماری گذارش پر خیال نہ فرمایا۔ حالانکہ مولانا صاحبؒ کے رد میں رسائل تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل و منیر الدین مبتدعین کی طرف سے شائع ہو چکے ہیں۔ اور ایک رسالہ مولانا احمد رضا خانؒ صاحب بریلوی کا بھی۔

شاباش ہے ہمارے حضرت پر کہ مُبتدعین مشرکین کی طرف ذرا توجہ نہیں فرماتے۔ ہاں اہل توحید پہ تبرا کرنے لگ جاتے ہیں۔ ہم ہمیشہ سے مولانا صاحبؒ کا ادب کرتے ہیں اور اس تحریر کے جواب میں بھی

وہی ادب کا خیال رہے گا۔ اب بعون اللہ جواب تحریر مولانا صاحب کا دیا جاتا ہے۔

قولہ تقلیدِ شخصی واجب ہے۔ حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں اپنے رسول کا اتباع فرض کیا۔ اور احادیث تمام اس پر دال ہیں۔ اور یہ بات سب کے نزدیک مقرر ہے مگر فہم کی بات ہے کہ اتباع وہ کر سکے جس نے آپ کی زیارت کی، ورنہ بدوں حضور خدمت کیونکر ہو سکتا ہے؟

اقول بے شک و شبہ حضورؐ کا اتباع فرض ہے مگر اس کو تقلیدِ ائمہ اربعہ میں سے ایک کی تقلید سے کیا علاقہ؟ ہم لوگ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اتباع رسولِ کریمؐ کا کرنا چاہیئے نہ کہ تقلید۔ مولانا صاحب بے ادبی معاف، پہلے آپ تقلید مصطلح متنازع کی تعریف کتبِ اصول سے دیکھ جائیے کہ تقلید کہتے ہیں کسی کی بات بغیر دلیل کے مان لینے کو۔ رسول کی بات اور اتباع تو خود دلیل ہے۔ افسوس جس شخص کو تقلید اور اتباع میں فرق نہ معلوم ہو وہ تقلیدِ شخصی کا وجوب ثابت کرے اور اس پر کیا دلیل ہے کہ اتباع وہ کر سکے جس نے آپؐ کی زیارت کی ہو بلکہ اس کے خلاف میں دلیل ہے۔ رُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰی مِنْ سَامِعٍ جیسے آدمی زیارت کرکے اتباع کر سکتا ہے، ایسے سن کر بھی۔ اچھا آگے چلئے۔

قولہ لہٰذا فخرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کو بھی نقل فرمایا۔ اصحابی کالنجوم۔ الخ

اقول حضرات ناظرین! مولانا کو ایک دلیل بھی سوجھی تو ایسی جو محدثین کے نزدیک باطل ہے۔ ابن حزمؒ نے تو اس کو موضوع کہا ہے۔ ہاں ضعیف سب کے نزدیک پرلے سرے کی ہے۔ حافظ ذہبیؒ میزان الاعتدال میں زیر ترجمہ جعفر بن عبدالواحد لکھتے ہیں۔ قال الدارقطنی یضع الحدیث وقال ابوزرعۃ روی احادیث لا اصل لہا الی قولہ ومن بلایاہ عن وھب بن جریر عن ابیہ عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ عن النبی صلعم اصحابی کالنجوم۔ الخ (میزان الاعتدال جلد اول ص۱۹۶) حاصل کلام یہ ہے کہ جعفر بن عبدالواحد جس کے حق میں دارقطنی نے کہا کہ یہ حدیثیں بنایا کرتا تھا، اسی کی یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے۔ ایسے ہی میزان الاعتدال صفحہ ۳۲۴۔ زید عمی کے ترجمہ میں اس

حدیث کو باطل قرار دیا ہے۔ حضرات ناظرین! یہ تو آپ کی تحقیق حدیث کا حال ہے۔ اب ہم اس حدیث کے مطلب پر توجہ کرتے ہیں مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ میرے اصحاب میں سے تم جس کی پیروی کرو گے۔ راہ ہدایت کی پاؤ گے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ صحابی کی پیروی کرنے کا کیا مطلب ہے۔ آیا ان امور میں جن کو وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کریں یا جمیع امور میں خواہ ان کی رائے ہی کیوں نہ ہو۔ اگر پہلی شق کو آپ فرمائیں تو وہی اتباع رسولؐ کا ٹھہرا۔ اگر دوسری شق کو آپ اختیار کریں تو اٹھارہ صحابی سیاہ خضاب کرتے تھے اور بعض سونے کی انگوٹھی پہنتے تھے۔ دیکھو فتح الباری شرح بخاری۔ بعض متعہ کے قائل تھے۔ جیسے عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ۔ تو آپ کو ان امور میں بھی اُن کی تقلید کرنی پڑے گی۔ دیکھیں! آپ ہماری دونوں باتوں کا کیا جواب دیتے ہیں۔ اور اس حدیث کی جس کو آپ نے مبنیٰ تقلید شخصی کا ٹھہرایا ہے۔ کیسے تصحیح یا تحسین ثابت کرتے ہیں۔

قولہ: حق تعالےٰ نے فرمایا۔ **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون** تو پچھلوں پر پہلوں سے پوچھنا فرض فرمایا۔ الیٰ قولہ مسلم رکھتے ہیں۔

اقول: اس آیت سے سوال کرنا ان امور کا معلوم ہوتا ہے جن کا علم نہ ہو۔ تقلید سے اس کو کوئی علاقہ نہیں۔ میں پہلے پوری آیت کو نقل کرتا ہوں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ **وما ارسلنا من قبلك الا رجالاً نوحی الیھم فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۝ بالبینات والزبر** (ترجمہ) نہیں بھیجے ہم نے پہلے تیرے مگر آدمی۔ ہم وحی کرتے تھے طرف ان کے۔ پس پوچھ لو علماء اہل توریت وانجیل سے اگر تم نہیں جانتے ہو کہ پیغمبر آدمی ہوئے یا نہیں؟ جمیع مفسرین کے نزدیک مراد اہل ذکر سے علماء اہل کتاب ہیں۔ اسی معنی سے نظم قرآن بنتا ہے۔ اگر کہیں کہ فاسئلوا تو عام ہے تو میں بھی کہتا ہوں، بے شک فاسئلوا عام ہے۔ اپنے افراد کو یعنی کوئی اہل کتاب ہو، اس سے پوچھو کسی اہل کتاب کی خصوصیت نہیں ہے جو کلی ہوتی ہے۔ اسی کے افراد ہوتے ہیں، نہ دوسرے کے افراد اور نہیں تو تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ ۲۶۹ ملاحظہ فرمائیے۔ فی الجملہ یہ آیت اہل کتاب کے سوال کرنے کے بارے میں ہے۔ کفار مکہ کو حکم ہوا تھا۔ آپ نے تقلید میں اس کو

داخل کر دیا۔ بقول ابن عباسؓ جو آیات کفار کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔ اُس کو خوارج نے اہل اسلام کے بارے میں ٹھہرا دیا۔ کما رواہ البخاری۔

اچھا! اب آپ کی بات مان کر گذارش کرتے ہیں کہ اس آیت میں بالبینات والزبر بھی تو ہے اور اس باء کے متعلق میں اختلاف ہے بعض نے ارسلنا کے متعلق ٹھہرایا۔ بعض نے فاسئلوا کے۔ تفسیر کبیر میں ہے۔ الخامس ان یکون التقدیر ان کنتم لا تعلمون۔ بالبینات والزبر۔ فاسئلوا اھل الذکر۔ یعنی اگر تم بینات اور زبر سے نہ جانتے ہو تو اہل ذکر سے دریافت کر لو۔ اور یہی وجہ اولیٰ ہے۔ کہ قریب کے ہوتے ہوئے بعید کے متعلق کرنا ٹھیک نہیں۔ اب بتائیے! اس سے تقلید ہوا ہو گئی۔ ردّ تقلید کا اس سے نکلا نہ ثبوت۔ مجھ کو تعجب ہے کہ آپ جن کو عام بھی کہے جاتے ہیں اور پھر اُس کی عمومیت کو باطل کر کے مراد شخص معین لیتے ہیں۔ ہم اس فرد معین کی تخصیص کی دلیل پوچھتے ہیں۔ ہمارا سوال تو اسی تعین کا ہے آپ کے اصول میں عام خواص کا معارض ہوتا ہے یا نہیں؟ جس تقلید کا آپ اثبات کرتے ہیں۔ اس کو اپنے ہاتھ سے مٹاتے ہیں اور اس کے ہم کب منکر ہیں کہ تابعین کو صحابہؓ سے علم حاصل ہوا۔ اور تابعینؒ سے تبع تابعین کو ھلم جرًّا مگر اس کو تقلید سے کیا علاقہ؟

قولہ: غیر مقلدین صرف لفظوں کی تقلید کرتے ہیں کہ پہلوں سے لفظ سن کر قبول کئے اور معنی جو چاہے آپ لگا دیئے۔ گو دین کے مخالف ہوں یا موافق۔ الیٰ قولہ تحقیق کرتے تھے۔

اقول: اہلحدیث پر یہ مقلدین کا محض اتہام ہے۔ اہلحدیث تو احادیث کے وہی معنی مراد لیتے ہیں جو صحابہؓ نے سمجھے۔ بخلاف آپ لوگوں کے۔ یہ تو فرمایئے! قضاء کا ظاہر باطن نافذ ہونا کس صحابی نے سمجھا ہے؟ اہل رائے نے جو حدیث بخاری وغیرہ (انما انا بشر و انہ یاتینی الخصم ولعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انہ صادق فاقضی لہ بذلک الخ) کے جو معنی چاہا لگا لیا۔ لاحرج جس کو حضرت نے تقدیم تاخیر مناسک حج میں فرمایا تھا کہ حرج نہیں ہے۔ کس صحابی نے اس سے

دم کا دینا سمجھا ہے۔ اہل رائے نے قرآن و احادیث کے معنی اپنی رائے سے لگا کر دین کو بگاڑا۔ اسی کے بارے میں محدثین شور کرتے چلے آتے ہیں۔ کتاب الحیل بخاری کی۔ کتاب رد علیٰ ابی حنیفۃ۔ ابن ابی شیبہ اُستاد بخاری و مسلم کی قابل ملاحظہ ہیں۔ متاخرین سے حافظ ابن قیمؒ کی اعلام الموقعین بھی ذرا ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت عمرؓ نے دس سال میں سُورۃ بقرہ پڑھی، اس کی سند کہاں ہے؟ کفٰی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ما سمع۔ آپ جیسے محدث سے ایسی لغو باتوں کا تحریر میں آنا سخت تعجب ہے۔

قولہ: بہرحال تقلید لفظاً معنیً دونوں کی دین میں واجب ہے تو بس اب حسبِ ارشاد شارع کے تقلید واجب ہوئی۔

اقول: بحث تو تقلید ائمہ اربعہ میں سے ایک کی تقلید میں ہے نہ قرآن و حدیث کے اتباع کرنے میں آپ اتباع و تقلید میں کچھ فرق سمجھتے ہیں یا نہیں۔ آپ نے تو یہ فرمایا ہے کہ قرآن و حدیث کے الفاظ و معنی دونوں کی پیروی چاہیئے۔ پھر تقلید ایک کی کیسے واجب ہو گئی۔ مجھ کو تو آپ کے فہم پر سخت حیرت ہے۔ آپ اپنے فہم سے مجبور ہیں۔ بہت بے فہمی کی باتیں آپ سے سرزد ہوتی ہیں۔

قولہ: جو کوئی کسی عالم کی تابعین سے لے کر آج تک تقلید کرتا ہے تو تقلیدِ صحابہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی تقلید ہے کیوں کہ یہ سب واسطے و وسائل آپ کے ہیں۔ الخ

اقول: تقلید تو کہتے ہیں کسی کی بات کو بغیر دلیل تسلیم کرنے کو جب عالم نے قرآن و حدیث کا مسئلہ بتایا، اب تو وہ مخبرِ خالی ہوا۔ اصل اتباع تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوئی۔ اس میں تو نزاع بھی نہیں۔ نزاع تو اس بات میں ہے کہ مثلاً امام ابوحنیفہؒ کے کُل مسائل کہ خواہ وہ صحیح ہوں یا غلط، آنکھ بند کر کے تسلیم کر لینا اور یہ التزام کرنا کہ سوائے امام ابوحنیفہؒ کے دوسرے کی بات کو کبھی نہ مانوں گا گو دوسرے کی بات کیسی ہی روشن دلیل سے ثابت ہو۔ اور امام کی بات اگرچہ رائے سے ہو پھر بھی بسر و چشم ہے۔ اس تقلیدِ شخصی پر اگر آپ کے پاس دلیل ہو تو بیان فرمادیں۔

قولہ: آیا یہ مقصود ہے کہ قرآن شریف یا حدیث میں خاص کر بنام امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ امام شافعی رحمۃ اللہ مثلاً حکم ہو کہ فلاں امام کی تقلید کرنا واجب جانو۔ اگر یہ مطلب ہے تو محض دھوکا مسلمانوں کو دیتا ہے۔ بخاری مسلم کے الفاظ کی تقلید میں کونسی مُصَرّح حدیث یا قرآن کی آیت ہے؟

اقول: ہاں یہی مقصود ہے کہ تم نے جو خاص امام ابوحنیفہ وغیرہ کی تقلید کو خاص کر کے لازم کر لیا ہے۔ اس کی دلیل بتاؤ۔ اور ہم یہ کب کہتے ہیں کہ بخاری یا مسلم کے ہی الفاظ کو خاص کر کے مانو۔ ہمارا تو یہ قول ہے کہ قرآن و حدیث و اجماع سے جو مسئلہ ثابت ہو، سب کو مانو۔

قولہ: ایک بات باقی رہی وہ یہ ہے کہ مشتہر کا یہ مطلب ہو کہ تقلید سب صحابہ و تابعین کی درست و ضرور ہے۔ پھر خاص کر ایک ہی کی تقلید کرنا کیا ضرور ہے۔ الیٰ قولہ کافی فرمایا۔

اقول: الفاظ کا فرق ہے، آپ تقلید نام رکھتے ہیں، ہم اتباع کہتے ہیں مشتہر کی مراد کے قریب آپ پہنچ گئے۔ پہلے مفت قصہ کہانی کہہ رہے تھے، اس کا جواب سُن لیجئے کہ جو آپ کا مبنیٰ ہے۔ یعنی حدیث اصحابی کی وہ یا بعض کے نزدیک موضوع، سب کے نزدیک سخت ضعیف ہے۔ اس سے استدلال صحیح نہیں، کوئی دوسری دلیل ہو تو لائیے۔

قولہ: فی الواقع مسئلہ مختلفہ میں ایک وقت میں تو ایک ہی کی تقلید ممکن ہے دو یا تین کی تقلید تو ہو ہی نہیں سکتی۔

اقول: آپ تقلید تقلید کیوں پکارتے ہیں۔ ایک صحابی سے پوچھا کہ اس مسئلہ میں اللہ، رسول کا کیا حکم ہے۔ جب اس نے بتایا تو پھر دوسرے، تیسرے، چند دس میں سے پوچھنا منع نہیں، جو اللہ، رسول کا حکم ہوگا، سب وہی بتائیں گے۔ اللہ، رسول کی بات میں اختلاف نہیں، وہ تو ایک ہی ہوگا۔ دو تین سے کیوں نہ پوچھے۔ آپ بار بار ایک ہی بات کو مکرر سہ کرر دہراتے ہیں۔ فاسئلوا کا جواب گذر چکا۔ مشتہر کا مذہب کلیہ میں صراحت اسی کا نہیں۔ آپ لوگوں نے جو قضیہ کلیہ میں ایک کی تخصیص کر لی ہے اس تخصیص کا سوال

کیا جاتا ہے۔ بہتر تو یہ کہتا ہے کہ جو عالمِ باعمل مل جائے اس سے دریافت کرلو کہ اس مسئلہ میں اللہ رسول کا کیا حکم ہے؟ اگر اللہ رسول کا حکم بتائے تو اس کی بات مانے، ورنہ دوسرے عالم سے سوال کر کے یہ معلوم کرے کہ یہ عالم قرآن وحدیث کا ہے اور اس پر عامل بھی ہے جو مسئلہ حق ہو، اس پر عمل کرے، افتراق کا کچھ خوف نہ کرے۔

کیوں مولانا! یہ مولود شریف کی مجلس کو جو آپ نے کنہیا کے جنم کے ساتھ تشبیہ دی اور امکانِ کذب کے مسئلہ پر زور دیا اس وقت افتراقِ اُمّت کا خیال ذہن شریف سے جاتا رہا تھا۔ حالانکہ ان دونوں آپ کے فتووں سے کس قدر افتراق ہوا۔ سچ پوچھو تو جس قدر آپ کو وہ لوگ بُرا کہتے ہیں، اہلحدیث نہیں کہتے۔ مگر شاباش ہے، آپ کو کہ آپ بھی انہی غرباء کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ بلکہ متبعین جو آپ کا رَد پر رَد کرتے ہیں، ان کے کہنے کا کچھ خیال نہیں۔

واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

تحقیق کے میدان میں قدم رکھنے والے علماء وطلباء کے لئے خوشخبری

پندرہ روزہ کلاس مناظرہ

جامعہ اہلحدیث لاہور میں عالم اسلام کی عظیم شخصیت سلطان المناظرین حافظ عبدالقادر روپڑی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں ہی دینی مدارس میں زیر تعلیم محنتی طلباء اور علمائے کرام کے لئے باطل مذاہب کے اعتراضات کا مدلل اور موثر جواب دینے کے ساتھ ساتھ شاہراہ قرآن وسنت صراط مستقیم میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والوں کا سینہ سپر ہو کر دین اسلام کی حقانیت کو منوانے کے لئے مناظرہ کی تربیتی کلاس کا اجراء کیا جو کہ گزشتہ کئی سالوں سے پوری آب وتاب سے ہر پندرہ یوم بعد منعقد ہوتی ہے حافظ روپڑی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بیماری کے آخری ایام میں شیخ الحدیث مناظر اسلام مولانا محمد یحیٰی گوندلوی حفظہ اللہ تعالیٰ کی سربراہی میں علماء کی کمیٹی تشکیل دی جس کے ارکان میں مناظر اسلام مولانا قاضی عبدالرشید آف جہلم' ابوالکلیم مولانا محمد اشرف سلیم تلمیذ رشید سلطان المناظرینؒ مولانا محمد داؤد ارشد' مولانا حافظ عبدالوہاب روپڑی' مولانا ابوالحسن مبشر احمد ربانی' حافظ محمد مصطفیٰ صادق' پروفیسر مولانا نسیم ججہ صاحبان شامل ہیں۔ انہی صاحبان کی زیر نگرانی میں یہ کلاس اب بھی جاری ہے فن مناظرہ کی تربیتی کلاس میں داخلے کے خواہش مند طلباء اور علماء کرام شرکت کر سکتے ہیں۔

الداعی الی القرآن والسنہ:۔

حافظ عبدالغفار روپڑی

ناظم اعلیٰ جامعہ اہلحدیث فون:7656730

چوک دالگراں لاہور فیکس:7659847